بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ علوم القرآن کا ترجمان

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ

جلد نمبر ۸ جولائی - دسمبر ۱۹۹۳ء •• رجب - ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ شمارہ نمبر ۲

ادارہ علوم القرآن

پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

مقالہ نگاروں سے التماس:

۱۔ مقالہ قرآنیات سے متعلق اور غیر مطبوعہ ہونا چاہیئے۔

۲۔ مقالہ صاف، خوشخط اور صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔

۳۔ مقالہ فل اسکیپ سائز کے بیس صفحات سے زیادہ نہ ہو۔

۴۔ حواشی و مراجع مقالہ کے آخر میں دیے جائیں۔

۵۔ ماخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں۔ مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سنہ اشاعت، جلد یا جزء اور صفحات۔

۶۔ بہتر ہوگا کہ مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات کا انگریزی یا کم از کم اردو خلاصہ ضرور ارسال فرمائیں۔

مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

زرِ تعاون

ممالک	ایک سال	دو سال	تین سال	پانچ سال
ہندوستان	۴۰ روپئے	۷۵ روپئے	۱۱۰ روپئے	۱۷۵ روپئے
پاکستان و بنگلادیش	۴۵ روپئے	۱۲۵ روپئے	۱۸۰ روپئے	۳۰۰ روپئے
دیگر ممالک	۱۵ امریکی ڈالر	۲۵ ڈالر	۴۰ ڈالر	۶۵ ڈالر

فی شمارہ بیس روپئے

طابع و ناشر سلطان احمد اصلاحی نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر ادارہ علوم القرآن پوسٹ بکس ۹۹ سر سید نگر علی گڑھ سے شائع کیا

محتویات

شرکاء کا تعارف

ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی	صدر ادارہ علوم القرآن و ریڈر شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
جناب خالد مسعود	مدیر "تدبر" لاہور
مولانا ضیاء الدین اصلاحی	ناظم دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی	ریڈر شعبہ عربی، شبلی کالج، اعظم گڑھ
مولانا محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی	رفیق دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
جناب زکریا سعید علی	معروف اسکالر
جناب ضیاء الرحمن فلاحی اعظمی	طالب علم، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ
مولانا داؤد اکبر اصلاحیؒ	سابق استاذ تفسیر مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ
ڈاکٹر محمد اسلم اصلاحی	ریڈر شعبہ عربی، کشمیر یونیورسٹی، سرینگر
ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی	لکچرر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی	ریڈر شعبہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی	ریڈر شعبہ انگریزی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی	سکریٹری ادارہ علوم القرآن و ریڈر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

اشتیاق احمد ظلی

علمی موضوعات پر مجالس مذاکرہ کا انعقاد دنیا علم و تحقیق کی ایک مسلمہ روایت ہے۔ اور اس کے فوائد و ثمرات سے اہلِ علم بخوبی آگاہ ہیں۔ اگر ایسی کسی مجلس کا موضوعِ بحث کتابِ الٰہی کا کوئی پہلو ہو تو علمی افادیت کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی برکت و سعادت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ یقیناً قابلِ مبارکباد ہیں جو ایسی بابرکت مجالس کا اہتمام کرتے ہیں اور وہ اہلِ علم و دانش قابلِ ستائش ہیں جو سفر کی صعوبتیں اٹھا کر ایسی مجالس میں شریک ہوتے ہیں اور اپنے نتائجِ فکر و تحقیق سے تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے ہیں، ان کے ذہن و دماغ میں اٹھنے والے شکوک و شبہات کو دور کرتے ہیں، سوالات کے تشفی بخش جوابات کے ذریعہ ان کے ذہنی افق کی وسعت کا سامان کرتے ہیں اور انھیں اپنے وسیع علم و مطالعہ سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔

ایسی ہی ایک مبارک مجلس مذاکرہ انجمن طلبہ قدیم کے زیر اہتمام ۶-۸ ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کو مدرسۃ الاصلاح میں منعقد ہوئی۔ اہم علمی موضوعات پر کامیاب مجالسِ مذاکرہ کا اہتمام و انعقاد اس انجمن کی روایات کا ایک حصہ بنتا جا رہا ہے۔ اس مجلس مذاکرہ کا موضوع "نظمِ قرآن" تھا۔ قرآن فہمی کے باب میں اس نظریہ کی بنیادی اہمیت اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مدرسۃ الاصلاح رجوع الی القرآن کی تحریک کا داعی اور نقیب ہے۔ اس کا فلسفۂ تعلیم و تعلم اسی آفتابِ عالم تاب کے گرد گھومتا ہے اور اس کا پورا نظامِ فکر اسی مدار پر گردش کرتا ہے۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کا فہم عام ہو اور مسلم معاشرہ اس کی ابدی تعلیمات سے

اسرار و حکم کی تعلیم و تعلم اور اس کے علوم و معارف پر تدبر و تفکر کی
پوری طرح آگاہ ہوا اور اس کے
کوشش جس سے اس عظیم الشان مقصد کے حصول میں مدد
عمومی فضا پیدا ہو۔ چنانچہ ہر وہ
بنیادی فرائض اور ذمہ داریوں میں شامل
ملے اور فہم قرآن کی راہ ہموار ہو انجمن طلبہ قدیم کے
اس سیمینار کے انعقاد کا محرک اور باعث ہوا۔
ہے۔ اسی ضرورت اور ذمہ داری کا احساس
ملک کے طول و عرض سے اہل علم کو مدعو کیا گیا تھا۔
اس مجلسِ مذاکرہ میں شرکت کے لئے
متوقع تھی۔ لیکن مجوزہ تاریخ کے آس پاس حالات
بیرونِ ملک سے بھی کچھ مندوبین کی شرکت
کا انعقاد ہی معرض خطر میں پڑ گیا۔ ملک کے
نے کچھ ایسا سنگین رخ اختیار کر لیا کہ بظاہر سیمینار
وبا کے اثرات محسوس کئے گئے۔ پریس نے ان خبروں کی
بعض حصوں میں طاعون کی مہلک
ملک میں خوف و ہراس کی ایک عام فضا بن گئی۔ اس کے
تشہیر کچھ اس انداز سے کی کہ پورے
اور سفر کے رابطے یکسر منقطع ہو گئے۔ چنانچہ باہر سے کسی
نتیجے میں بیرونِ ملک سے رسل و رسائل
پاکستان سے جن اہلِ علم کی آمد متوقع تھی ان میں مشہور
مندوب کی شرکت کا امکان باقی نہ رہا۔
مدیر تکبیر بھی شامل تھے۔ ان سے ملنے اور ان سے مستفید
صحافی اور دانشور جناب محمد صلاح الدین،
شامل ہو چکی ہے۔ کراچی کے برادر کش فسادات نے
ہونے کی خواہش اب زندگی کی حسرتوں میں
جو مدت العمر پوری قوت اور جرأت سے ظلم و جبر کے خلاف
اس مردِ مجاہد کی آواز کو خاموش کر دیا

اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فسیح جناتک۔
بلند ہوتی رہی۔

کیفیت تھی اس کے باعث سفر آسان
خود اندرونِ ملک ان دنوں خوف و ہراس کی جو
اس سیمینار میں شرکت ممکن نہ ہو سکی۔
نہ تھا۔ چنانچہ خواہش کے باوجود بہت سے مندوبین کے لئے
ایسے ناساز گار ماحول اور نامساعد
پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کرم سے اور کتابِ عزیز کی برکت سے
نہ صرف تین دن تک چلتا رہا بلکہ
حالات کے باوجود یہ سیمینار منعقد ہوا اور پوری کامیابی سے
مفصل بحث و تمحیص کی راہ میں مسلسل
بار بار وقت کی تنگ دامانی کا شدید احساس ہوا جو زیادہ
کا سلسلہ اور بھی دراز ہوتا۔
رکاوٹ بنی رہی۔ وقت میں اگر گنجائش ہوتی تو اس لذیذ حکایت
ہو سکا ہوتا۔ بہر حال
اور اس سے لذت یابی اور سعادت اندوزی کا اور بھی بہت کچھ سامان
مختلف پہلوؤں پر فاضلانہ
دست یاب وقت کا بھرپور استعمال کیا گیا اور موضوعِ زیرِ بحث کے

مقالات پیش کیے گئے جن میں نظریہ نظم قرآن کو نقد و نظر کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا گیا اور اتنے ہی عالمانہ انداز میں ان کا تحلیل و تجزیہ کیا گیا۔ اس بحث و تمحیص اور نقد و محاکمہ کے نتیجہ میں نظریہ نظم کے بہت سے پہلو نکھر کر سامنے آئے، تاریخ تفسیر کے مختلف ادوار میں قرآن حکیم کے علوم وافکار پر اس نقطہ نظر سے غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کرنے والوں کی اس میدان میں خدمات و مساعی اور ان کے علمی و فنی اکتسابات کی قدر و قیمت کا زیادہ بہتر ادراک ہوا اور اس نظریہ کے عہد بعہد ارتقاء کی ایک زیادہ واضح اور مکمل تصویر ابھر کر سامنے آئی۔ فہم قرآن کے ایک نہایت اہم وسیلہ و کلید کی حیثیت سے نظریہ نظم کی اہمیت و افادیت پوری شدت سے محسوس کی گئی۔ فکر و نظر کو جلا ملی اور کتاب عزیز پر تدبر و تفکر کے رجحان کو تقویت ملی۔ برکت و سعادت کا یہ سلسلہ تین دن تک جاری رہا اور اس کے پرتو سے سرزمین مدرسۃ الاصلاح مطلع انوار بنی رہی اور اس کی تابش انشاء اللہ افق تا بہ افق پھیلتی ہی چلی جائے گی۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انجمن طلبہ قدیم کے صدر مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب علالت کے باوجود تشریف لائے اور افتتاحی اجلاس کی صدارت فرمائی۔ افتتاحی کلمات سے مولانا سید جلال الدین انصر عمری صاحب نے نوازا، استقبالیہ مدرسہ کے نائب صدر مولانا انیس احمد اصلاحی نے پیش کیا اور کلیدی خطبہ ڈاکٹر مظفر احسن اصلاحی نے دیا جس میں فکر فراہی کے تناظر میں نظریہ نظم قرآن کا ایک جامع تعارف پیش کیا گیا۔ افتتاحی اجلاس کے علاوہ باقی پانچ اجلاسوں کی صدارت بالترتیب پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، مولانا سید جلال الدین انصر عمری، مولانا محمد فاروق خاں، مولانا ضیاء الدین اصلاحی اور مولانا عنایت اللہ سبحانی نے فرمائی۔ نظامت کے فرائض راقم حروف نے ادا کیے۔ اس سیمینار کا ایک امتیازی پہلو یہ تھا کہ مدرسہ کے کئی طلبہ نے بھی مقالات پیش کیے۔ یہ بڑی خوش آئند اور قابل قدر کوشش ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان عزیزوں کی کاوشیں جاری رہیں گی اور یہ مدرسہ کے اندر ایک نئی علمی بیداری کے لئے قوی محرک ثابت ہوں گی۔

پہلے اجلاس میں افتتاحی تقریبات کے علاوہ دو مقالات بھی پیش کیے گئے۔ پہلا مقالہ

پروفیسر مسعود الرحمٰن خاں ندوی نے پیش کیا۔ اس کا عنوان تھا "نظم قرآن کے حوالہ سے نقد فراہی" دوسرا مقالہ "نظم قرآن، معنی و مفہوم، افادیت و اہمیت" جناب اشہد رفیق ندوی نے پیش کیا۔

دوسرے اجلاس میں مولانا نسیم ظہیر اصلاحی، ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی اور جناب فہد نواز نے بالترتیب "نظم قرآن پر علامہ شوکانی کے اعتراضات کا جائزہ" "تدبر قرآن کے گروپ اور سورتوں کے عمود کا موازنہ دلائل النظام، نظام القرآن اور حواشی قرآن کی روشنی میں" اور "نظم قرآن کے قائلین۔ تاریخی جائزہ" کے موضوعات پر اپنے مقالے پیش کئے۔

تیسرے اجلاس میں پانچ مقالے پیش کئے گئے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے "نظم قرآن کا رگہ نظریہ وعمل میں"، مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی نے "نظم قرآن ہے فکر و فن کی کلید"، ڈاکٹر غیاث الدین نے "مہائمی کا تصور نظم۔ ان کی تفسیر تبصیر الرحمٰن کی روشنی میں" جناب محمد افضل اصلاحی نے "نظم قرآن اور مولانا فراہی۔ ایک تجزیاتی مطالعہ" اور جناب ابو القاسم نے "نظم قرآن اور اہل تفسیر" کے عناوین پر مقالے پیش فرمائے۔

چوتھے اجلاس میں پانچ مقالے پیش کئے گئے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے مقالہ کا موضوع تھا "امام رازی کی تفسیر قرآن میں نظم" اس کے علاوہ جناب سکندر علی اصلاحی نے "نظم قرآن۔ جاحظ کی ایک غیر معروف تفسیر کا تعارف"، جناب ایاز احمد اصلاحی نے "مجموعہ سور میں نظم" جناب محی الدین غازی فلاحی نے "امام بقاعی کا تصور نظم" اور جناب نازش نے "نظم وتناسب کا فرق" کے موضوعات پر مقالے پیش کئے۔

پانچویں اجلاس میں جو مقالے زیر بحث آئے ان میں مولانا عنایت اللہ سبحانی کا مقالہ "سورۃ القمر وما فیہا من اعجاز البیان وبدیع النظام"، مولانا محمد فاروق خاں کا مقالہ "نظم قرآن اور ارتباط حیوی" اور جناب علیم اللہ اور جناب سعید الرحمٰن نیپالی کے مقالات "مولانا فراہی کے نظریہ نظم قرآن کی خصوصیت" اور "نظم قرآن کا تاریخی پس منظر" شامل ہیں

آخری اجلاس میں مولانا سید جلال الدین انصر عمری نے "مفصلات میں سے بعض سورتوں کا نظم" اور ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی نے "نظم قرآن اور مولانا فراہی" کے موضوع پر اپنے مقالے پیش کئے۔ اختتامیہ میں ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی نے سیمینار کے پورے پروگرام سے متعلق ایک تاثراتی

رپورٹ پیش کی۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے مندوبین کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے تاثرات بیان کئے۔ انجمن طلبہ کے جنرل سکریٹری مرزا اشفاق احمد اصلاحی نے مہمانان گرامی کی خدمت میں نذرانہ تشکر پیش کیا اور دعا کے ساتھ یہ کامیاب مجلس اپنے اختتام کو پہونچی۔

ناساعد حالات اور وسائل کے فقدان کے باوجود اس سیمینار کی کامیابی دراصل انجمن کے عہدیداران، مدرسہ کے ذمہ داران اور اساتذہ وطلبہ کی مشترکہ مساعی اور انتھک کوشش کی مرہون منت تھی۔ جس انہماک، مستعدی اور حوصلے سے ان سب نے اس کے انعقاد میں اپنا اپنا حصہ ادا کیا وہ قابل ستائش ہے۔ لیکن اس سیمینار کی اصل کامیابی ان علماء اور دانشوروں کی دین تھی جنھوں نے کتابِ الٰہی کی نسبت سے ہونے والے اس سیمینار کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کی، اپنی تشریف آوری سے اس محفل کو رونق بخشی اور نہ صرف اپنے عالمانہ مقالات پیش فرمائے بلکہ مقالات پر ہونے والے مباحثہ میں بھی بھرپور حصہ لیا اور اس طرح اس سیمینار کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ اور ان سب سے بھی زیادہ یہ توفیق الٰہی کی دستگیری تھی جس نے اپنے فضل خاص سے اپنی کتاب کے نام پر ہونے والی اس حقیر کوشش کو کامیابی سے نوازا۔ احساس تشکر سے ہم اس کے حضور میں سربسجود ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں ہم سب کو کتاب عزیز کی خدمت کی توفیق بخشے، ہمارے سینوں کو اس کے معارف کے لئے کھول دے، اس کی تعلیمات پر عمل کی توفیق دے اور اس حقیر کوشش کو شرف قبول بخشے اور اسے ہم سب کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

۸ر مئی ۱۹۹۵ء



ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۲/۸، جولائی تا دسمبر ۱۹۹۳ء

افاداتِ فراہی

تفسیر قرآن میں نظم کلام کی مشکلات

ترتیب و ترجمہ: خالد مسعود

متعدد وجوہ ایسی ہیں جن کے باعث قرآن کا نظم یا تو واقعی مخفی ہو گیا ہے یا قاری سے مخفی رہتا ہے۔ ان وجوہ میں سے بعض کا تعلق کلام کی خصوصیات سے اور بعض کا خود قاری کی ذات سے ہے۔ ہم یہاں چند نمایاں وجوہ کی طرف اشارہ کریں گے۔

خصوصیاتِ کلام پر مبنی وجوہ

۱۔ کلام کے بعض اجزاء کو بیان میں اس لئے حذف کر دیا جاتا ہے کہ ان کی طرف رہنمائی بیان کردہ اجزائے کلام سے بخوبی ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر یہ حذف کسی قصہ میں ہو تو محذوف جزء ایک غبی اور کند ذہن آدمی کے سوا ہر شخص پر واضح ہوتا ہے۔ سوہ یوسف میں قصہ کے حذف کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔[۱] جب حذف دلائل یا امثال میں ہو تو محذوف کسی ایسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا جس کا ذہن بیدار اور عقل روشن ہو، جیسا کہ اکثر اہل عرب کا حال تھا۔ اگر عربوں کے اشعار، ان کے خطبے، مسجع کلام اور حکیمانہ اقوال ہم تک نہ پہنچے ہوتے تو ہم ان کو بھی دوسری اقوام ہی کی صف میں رکھتے۔ لیکن جب ہم ان کے ایسے افراد کا شاندار کلام دیکھتے ہیں جو لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے تھے یا ان کی خواتین کا کلام، بالخصوص وہ کلام جو ارتجالاً کہا گیا، دیکھتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ اہلِ عرب نہایت ذہین تھے۔ وہ بات کو اجزائے کلام کے پورا ہونے سے پہلے ہی سمجھ جاتے، طویل کلام کو عیب سمجھتے اور ایجاز و اختصار ان کو پسند تھا۔ قدیم اہل یونان میں سے اسپارٹا کے لوگ اپنے بعض اخلاق میں عربوں سے مشابہ تھے۔ ان کے کلام کو دیکھو تو اس میں

عربوں کے کلام کی خصوصیات نظر آئیں گی۔

۲۔ بعض اوقات کلام میں حذف نہیں ہوتا لیکن بظاہر اس کا گمان ہوتا ہے۔جس مضمون کے محذوف ہونے کا شبہ ہوتا ہے وہ آگے آنے والی آیات میں دوسرے اسلوب میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس کو پہلے بیان کر دیا جاتا تو وہاں وہ زائد از ضرورت ہوتا۔ اس کے برعکس کہیں ایک ہی بات کو دوبارہ کہا گیا ہے جس کا مقصد تاکید ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ (البلد: ۱۱-۱۴)

پر اس نے گھاٹی نہیں پار کی اور تم کیا سمجھے کہ کیا ہے وہ گھاٹی۔ گردن کو چھڑانا یا بھوک کے زمانے میں کھلانا۔

اسلوب میں اس طرح کی تبدیلیاں قرآن کی خصوصیات میں سے ہیں۔ ایسے مقامات نحویوں کے لئے تو ایک مصیبت کھڑی کر دیتے ہیں لیکن ان کی بدولت بیان نہایت آسان واضح اور شیریں ہو جاتا ہے۔

۳۔ متکلم کی مزاجی کیفیت سے ناواقفیت بھی فہم نظم میں مشکل پیدا کرتی ہے۔ متکلم کبھی غصہ میں ہوتا ہے، کبھی حقارت یا حسرت سے بات کرتا ہے، کبھی وہ مخاطب سے منہ پھیر کر بات کرتا ہے۔ کلام میں ان جذبات کے اظہار کی مخفی علامات موجود ہوتی ہیں لیکن جو شخص واقف حال نہیں ہوتا وہ ان پر مطلع نہیں ہونے پاتا۔ جو چیزیں اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں وہ کلام کا اسلوب اور اس کے معانی دونوں ہیں۔ اسلوب میں استفہام کا انداز، خطاب کا طرز، سرعت التفات، کلام کی درشتی اور اس کا طول وغیرہ شامل ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ نساء کی آیت ۱۵۵ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور اس کے بعد کی آیات پر غور کرو۔[۲]

ان امور کے لئے کلام میں اگر کچھ ظاہری علامات ہوتیں تو اہل علم کے لئے ان سے رہنمائی کا سامان ہو جاتا لیکن یہ چیز اعجاز کلام کی نوعیت کی ہے۔ اس کا تعلق کلام کی روح سے ہوتا ہے جس کی طرف رہنمائی بس قلب کی ضرورت ہی کر سکتی ہے۔ سننے والا کلام کے مدلول کو سمجھ جاتا ہے لیکن ایک مصنوعی ادیب پر اس کی حقیقت نہیں کھلتی۔

اگر کسی شخص کے اندر یہ خاصیت پائی جائے کہ وہ ایک ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہو جس میں حسرت، غضب، شفقت، وغیرہ جذبات کا اظہار بے حد زیادہ ہو حالانکہ اس کی اپنی کیفیت اس کے برعکس ہو تو ایسا شخص سب سے بلیغ اور وسیع تخیل کا مالک شمار ہوتا ہے اور یہ خصوصیت کلام کا سحر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کے کلام کی خصوصیات کا حامل کلام کہنا دوسرے لوگوں کے لئے اگرچہ مشکل ہوتا ہے لیکن ممکن ضرور ہے۔

ایک شخص اگر کسی بادشاہ یا حکیم کا کلام اس کے شکوہ، کبریائی اور رفعت کو ملحوظ رکھ کر اسی کی طرح کہنے پر قادر ہو جائے کہ وہ سننے والوں کو بھی شبہ میں ڈال دے تو ایسا شخص فن خطابت کے بلند ترین مرتبہ کا حامل ہوتا ہے۔ البتہ اس کا عیب بھی کبھی کبھی ظاہر ہو جاتا ہے، جیسا کہ کہاوت ہے:

لیس التکحل فی العینین کالکحل — آنکھوں میں سرمہ لگانا ان کی قدرتی سیاہی کا بدل نہیں ہوتا۔

المرء مخبوء تحت لسانہ — آدمی کی شخصیت کی پہچان اس کی زبان سے ہو جاتی ہے۔

اگر عیب کلام سے ظاہر نہ بھی ہو جب بھی کلام پیش کرنے والا شخص بادشاہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں دو مختلف انسان ہیں۔

اگر کوئی شخص کلام الٰہی کی نقل کرنے کی جسارت کرے اور اپنے اس کلام کو ایسے دانشوروں، خطیبوں اور شاعروں کے سامنے پیش کرے جو کلام کو پہچانتے اور اس کی روشنی میں اس شخص کے کلام کا تنقیدی جائزہ لے سکتے ہوں تو عقل یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی کہ یہ لوگ کلام میں بلندی کی جگہ پستی اور اس کے انداز میں آدمی کے دعویٰ کے برعکس مختلف انداز کلام کو بھانپ نہ سکیں۔ ملٹن (MILTON) جیسے ادیب نے یہ غلطی کی ہے کہ شیطان کے کلام کو بھی وہی انداز دے دیا ہے جو صرف رب کے کلام کو زیبا ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قرآن نے اللہ تعالیٰ کے جلال، اس کی عظمت شان اور اس کے

اقتدار کی قوت کو اس طور سے نمایاں کیا ہے کہ جس کی مثال کسی دوسرے دین میں نہیں ملتی۔ کلام الٰہی کا انداز بھی اس کے علوئے شان کے عین مطابق ہے اور اس کی منزلت سے کسی طرح کم تر نظر نہیں آتا۔ اس کلام پر یہ آیت بالکل صادق آتی ہے۔

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿حشر: ۲۱﴾	اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خشیت الٰہی سے پست اور پاش پاش ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

اہلِ عرب نے قرآن کے اندر رفعت و شکوہ محسوس کیا تو پہلے اس کو شعر کی طرف نسبت دی کیونکہ وہ شعر ہی کو دلوں کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز سمجھتے تھے۔ پھر جب وہ اس نسبت سے خود مطمئن نہیں ہوئے تو انھوں نے قرآن کو سحر قرار دیا۔ ان کا خیال یہ بھی ہوا کہ یہ جنوں کا کارنامہ ہے اسی لئے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنا شروع کر دیا۔

۴۔ قرآن کریم میں کہیں کہیں متفرق آیات آتی ہیں، پھر ان کے بعد کوئی ایسی حقیقت بیان ہوتی ہے جو ان متفرق آیات کو جمع کر لیتی اور ان میں وحدت پیدا کر دیتی ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ متفرق آیات بعد میں بیان ہونے والی حقیقت کی تمہید کے طور پر تھیں۔ اس کی مثال سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۹ - ۱۷۰ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۵۔ نظم کے مخفی ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمہیدی مضامین اور معترضہ جملے عام انداز میں بیان ہوئے ہیں جب ایسے مقامات پر کلام کا رخ کسی خاص جانب کو ہے۔ ایسے مواقع پر لازم ہوتا ہے کہ عام کو بھی اس کی خاص جہت کی طرف لوٹایا جائے۔

۶۔ متعدد مقامات پر کلام میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے لیکن موقع ایسا ہوتا ہے کہ بات کو خاص کر دینا مقصود نہیں ہوتا۔ کچھ چیزیں تو ہیں ہی ایسی کہ جن میں اشتباہ کو برقرار رکھنا ہی مطلوب ہے، مثلاً قیامت کی گھڑی جس کا وقت واضح نہیں کیا گیا۔

قاری کے فہم پر مبنی وجوہ

۱۔ مفسر کا کسی خاص فن سے تعلق یا اس میں اختصاص بھی نظم قرآن کو مخفی کرنے کا باعث

بن جاتا ہے۔ علم کلام سے شغف رکھنے والا ہر چیز میں مسئلہ جبر و قدر کا حل تلاش کرے گا، جیسا کہ امام رازیؒ کی تفسیر میں تم دیکھتے ہو۔ صوفیانہ مزاج کا حامل مفسر ہر آیت میں روح کی حقیقت اور باری تعالیٰ کے ساتھ اس کی نسبت کو تلاش کرتا نظر آئے گا۔ ایک فقیہ فروعی احکام کو زیادہ اہمیت دے گا۔ ایک محدث غیر مشہور روایات کو بھی جید قرار دے کر کوئی ایسی چیز پیش کر دے گا جس سے نظم قرآن کا سر رشتہ گم ہو کر رہ جائے۔

۲۔ شک میں مبتلا ایسے کثیر لوگ ہیں جو کسی ایک رائے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ مختلف اقوال کو تفسیر کے طور پر جمع کر لیتے ہیں۔ ان مختلف اقوال کے اندر سے ایک ایسا قول برآمد کرنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے نظم کلام درست ہوتا ہو۔

۳۔ بعض لوگ کسی خاص مقصد سے قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ الفاظ کو پھیر کر اپنے مطلب کے لیے معانی پہنا دیتے ہیں جن کی قرآن میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ وہ ہر کمزور معنی پر، جو ان کی موافقت میں ہو، اعتماد کر لیتے ہیں اور ہر اس واضح معنی سے، جو ان کے غیر موافق ہو، آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

۴۔ نظم قرآن کے مخفی رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مدنیت کے تقاضوں سے لوگوں کی طبائع ان لوگوں سے بے حد مختلف ہو چکی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ شہریوں کے اندر خاص میلانات پیدا ہو جاتے ہیں، طبیعتیں ایک غیر فطری سانچے میں ڈھل جاتی ہیں جو اس فطری سادگی سے کوسوں دور ہوتا ہے جو آزاد فضا میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے اور جس میں کوئی کجی نہیں ہوتی۔

قرآن میں گہرائی ہے لیکن اس کے باوجود وہ محدود و مقید نہیں ہے چونکہ اس کا سرچشمہ فطرت سے پھوٹا ہے اس لئے اس میں رفعت بھی ہے اور وسعت بھی۔ شہری اور بدوی عقل میں وہی فرق ہے جو ان کی بصارت میں ہے۔ شہریوں میں تم زرقاؓ کو پاؤ گے نہ ابن حلزہؓ کو اور بدویوں میں تمہیں کوئی حریریؓ نہیں ملے گا جو غیر مانوس الفاظ اور منقش زبان لکھتا ہو۔

تفاسیر میں خطا کے اسباب

تفسیر میں خطا کی دراندازی ان تمام اسباب کے باعث ہوتی ہے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا

ہے۔ ان کے علاوہ دو اور خاص پہلو ہیں جن کے باعث تفسیر غلط ہوتی ہے۔ یہاں ہم ان کا ذکر کریں گے۔

۱۔ جب سے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب میں فرقہ واریت اختیار کی ہے ہر فرقہ نے ایک خاص مذہب کو اختیار کر لیا ہے جو فروعات میں دوسرے فرقہ سے بالکل الگ ہے۔ اس نے یہ بھی مان لیا ہے کہ اگر اس فرقہ کے مذہب کی مخالفت میں کچھ کہا جائے گا تو وہ باطل محض ہوگا۔ چنانچہ تمام فرقوں نے قرآن کی تاویل بھی اپنے اپنے مذہب کے مطابق کر دی۔ وہ قرآن کی طرف دل کی سادہ لوح کے ساتھ نہیں آئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفسرین کی تفسیریں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئیں۔ ایک مفسر کے لئے واجب ہے کہ تفسیر کرنے سے پہلے وہ کوئی مخصوص مذہب نہ رکھتا ہو۔ ایک مقلد کے لئے قرآن میں غور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

پاک شو اول وپس دیدہ برآں پاک انداز

۲۔ متکلمین کا رجحان یہ ہے کہ وہ ہر اس حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں جو ان کے نقطۂ نظر کے خلاف دلیل بنتی ہو۔ وہ کسی چیز کا توڑ کرنے کے لئے سب سے قوی ذریعہ اختیار کرتے ہیں اور یہ قوی ترین ذریعہ اس چیز کا انکار ہے۔ چنانچہ دیکھو گے کہ ابو مسلمؒ اور سید احمدؒ نے قرآن میں نسخ کا انکار کر دیا۔ حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اسی طرح سید احمد نے جب دیکھا کہ ظاہر قرآن کے لحاظ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معجزہ کی نفی ثابت ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو اس اعتبار سے حضورؐ پر فوقیت حاصل ہوتی ہے تو انھوں نے معجزہ ہی کا انکار کر دیا۔

نظم کی رعایت کے بغیر تفسیر اختلاف کا باعث ہے

ہم یہ دکھانے کے لئے کہ نظم کا لحاظ کئے بغیر کسی آیت کی تاویل کس طرح مختلف ہو جاتی ہے اور نظم کی رعایت کیسے اس کو واضح کر دیتی ہے، ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ سورۂ نور کی آیت ۶۳:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا	تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

کے تحت امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"اس آیت کے مفہوم کے کئی پہلو ہیں ۔ مبرد اور قفال نے جس پہلو کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ تمہیں جو حکم دیں اور تمہارے لئے جو دعا کریں اس کو وہ حیثیت نہ دو جو تم آپس میں ایک دوسرے کے حکم یا دعا کو دیتے ہو ۔ کیونکہ ان کا حکم ایک فرض لازم ہے ۔ جو چیز اس مفہوم کی دلیل فراہم کرتی ہے وہ اس کے بعد کا جملہ :

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ ۔ پس جو لوگ اس کے حکم سے گریز کرتے رہتے ہیں اس بات سے ڈریں کہ : ، ہے ۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کو اس طرح نہ پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ۔ یعنی یا محمدؐ اور یا ابا القاسم مت کہو بلکہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہا کرو ۔ یہ تاویل سعید بن جبیرؒ کی ہے ۔

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کو پکارنے میں اپنی آوازیں بلند نہ کرو ۔ گویا اس آیت کی مراد بھی وہی ہے جو آیت :

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ الآیہ کی ہے ۔ یہ تاویل حضرت ابن عباسؓ کی ہے ۔

اس کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی بددعا سے بچو جس کا وبال ان کو ناراض کرنے کی صورت میں تم پر آپڑے گا ۔ ان کی بددعا دوسرے لوگوں کی بددعا کی طرح نہ ہوگی ۔

ان میں سے پہلی تاویل آیت کے نظم سے قریب تر ہے ۔"

امام صاحب نے اس تاویل کو قابلِ ترجیح قرار دیا ہے جس کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ اس میں نظم قرآن کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے ۔

ہمارے خیال میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہؐ جب تمہیں بلائیں تو لازم ہے کہ ان کے پاس آؤ ، خواہ یہ بلانا تمہارے حق میں ہو یا تمہارے خلاف ۔ اور ان کی بات سنو اور اس کی تعمیل کرو ۔ جب تک رسول اللہؐ اس معاملہ کا فیصلہ نہ کر دیں جس کے لئے انھوں نے تم کو طلب کیا ہے ، اس وقت تک ان کے پاس سے رخصت نہ ہو تا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت گناہ ہے ۔ آیت کے اس مفہوم کے حق میں پوری آیت کا مضمون دلیل مہیا کر رہا ہے ۔ پوری

آیت یوں ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

(نور: ٦٣)

تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں سے اچھی طرح باخبر رہا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جایا کرتے رہے ہیں پس جو لوگ اس حکم سے گریز کرتے رہے ہیں اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے یا ان کو ایک دردناک عذاب آپکڑے۔

ہماری بیان کردہ تاویل کے حق میں ایک واضح دلیل اسی سورہ کی آیات، ۴۸ تا ۵۲ ہیں۔ ممکن ہے مبرد اور قفال کے پیش نظر بھی یہی بات رہی ہو اور امام رازیؒ نے اس کو نہ سمجھا ہو۔

حواشی

لہ مثلاً سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی دُعا کا ذکر ہے کہ اے رب مجھے قید خانہ گناہ کی زندگی سے زیادہ محبوب ہے، اور عزیز مصر کے اہل خاندان کا یہ فیصلہ بھی بیان ہوا ہے کہ یوسف کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیا جائے لیکن ان کے قید کئے جانے کا ذکر الفاظ میں نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے وزیر بننے کے بعد ان کے انتظامات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا کہ قحط سے قبل انھوں نے غلے کی حفاظت کیسے کی اور قحط کے دوران اس کی تقسیم کا اہتمام کیا ہوا۔ قصہ یک لخت بھائیوں کی مصر آمد پر آ نکلتا ہے۔ بھائیوں کی پہلی اور دوسری آمد کے درمیان کی تفصیلات بھی حذف ہیں قاری خود سمجھ لیتا ہے کہ فلاں واقعہ کے بعد کیا ہوا ہو گا۔ (مترجم)

ٹہ ان آیات میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے اور صاحب تدبر قرآن کے الفاظ میں "یہ تنبیہ اتنی سخت و شدید ہے کہ لفظ لفظ سے جوش غضب ابلا پڑ رہا ہے۔ پوری تقریر ازابتدا تا انتہا صرف فرد قرارداد جرائم پر مشتمل ہے اور کلام کے جوش اور روانی کا یہ عالم ہے کہ بات شروع ہونے کے بعد یہ متعین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ختم کہاں ہوئی اس قسم کے پرجوش اور پرغضب کلام میں عموماً خبر حذف ہو جاتی ہے، گویا متکلم کا جوش ہی خبر کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اور مبتدا ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ متکلم کیا کہنا چاہتا ہے۔" (مترجم)

۳ مراد زرقاء الیمامہ ہے جس کا تعلق یمامہ کے قبیلہ بنو جدیس سے تھا اور وہ نظر کی تیزی کے لئے مشہور تھی۔ کہا جاتا تھا کہ زرقاء تین دن کی مسافت کے علاقے کو دیکھ سکتی ہے۔ (مترجم)

۴ حارث بن حلزہ یشکری۔ جاہلی شاعر جس کا قصیدہ معلقات میں شامل ہے۔ (مترجم)

۵ بصرہ کے مشہور ادیب قاسم بن علی حریری (م ۵۱۶ھ) جن کی متعدد کتابوں میں سے مقامات حریری بے حد مشہور ہے۔ (مترجم)

۶ مراد ابو مسلم اصفہانی (م ۳۲۲ھ) ہیں جن کی تفسیر جامع التاویل کے نام سے ہے۔ انھوں نے ایک کتاب الناسخ والمنسوخ کے نام سے لکھی جس کی طرف مصنف علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا ہے۔ (مترجم)

۷ مراد سر سید احمد خان ہیں۔ (مترجم)

قرآن مجید کا اُسلوب

اجمال کے بعد تفصیل

ضیاء الدین اصلاحی

ایجاز بلاغت کی جان ہے۔ لیکن کلام کا اقتضائے حال کے مطابق ہونا اس کی بڑی خوبی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی ایجاز کے بجائے تفصیل کو اختیار کرنا مناسب اور بہتر ہوتا ہے۔ قرآن مجید جب عربوں سے خطاب کرتا ہے تو کلام میں اشارہ، کنایہ، حذف اور اختصار کا استعمال زیادہ ہوتا ہے لیکن جب اس کا روئے سخن بنی اسرائیل کی جانب ہوتا ہے تو وہ شرح وبسط سے کام لیتا ہے۔

قرآن مجید کے ایجاز، جامعیت اور اعجاز بیان کا خاص نمونہ ابتدائی دَور کی مکّی سورتیں ہیں جو چھوٹی اور مختصر ہونے کے باوجود اپنے دامن میں قرآن کی بنیادی دعوت اور مہمات دین کو سمیٹے ہوئے ہیں گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے، اسی لئے ان سورتوں کو جوامع الکلم کہا جاتا ہے، سورۂ اخلاص کے متعلق سلف کا قول ہے کہ یہ ثلث قرآن ہے، سورۂ فاتحہ کو پورے قرآن مجید کا خلاصہ اور نچوڑ کہا گیا ہے، اور سورۂ والعصر کے متعلق امام شافعیؒ سے منقول ہے "اگر لوگ تنہا اسی سورہ پر غور کریں تو یہ ان کے لئے کفایت کرے گی"۔

ابتدا میں کسی تعلیم و دعوت کو پیش کرنے کا سب سے مناسب اور حکیمانہ طریقہ یہی ہے کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کر کے صرف اصول اور مہمات کی طرف بلایا جائے اسی لئے ابتدائی مکی سورتوں کے اندر دین کے بنیادی عقائد اور اصل تعلیمات ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہیں تاکہ کلیات و مبادی کو ذہنوں میں مستحکم و مستحضر کر دیا جائے، اگر شروع ہی میں تفصیل سے کام لیا جاتا تو لوگ ان کی وسعتوں اور تفصیلات میں الجھ کر رہ جاتے۔ علاوہ ازیں عرب ایجاز سے زیادہ مانوس تھے اس لئے انھیں ان کے پسندیدہ اصول اور مالوف طریقہ کے مطابق

دعوت دینا ہی بہتر اور مفید تھا۔

بعد میں جب لوگ محکمات وکلیات سے آشنا ہو گئے اور یہود سے سابقہ پیش آیا تو مدنی سورتوں میں تفصیل واطناب اور استقصا سے کام لیا گیا اور لوگوں کو جزئیات و تفصیلات سے بھی واقف کرایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وخطبات میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ پہلے آپؐ نے مختصر موثر اور بلیغ جملوں میں لوگوں کے سامنے حقائق و کلیات پیش کئے پھر احکام وشرائط کی تفصیل بیان فرمائی۔

جس طرح ایجاز سے متکلم کی حکمت اور کلیات وحقائق سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح تفصیل سے اس کی وسعتِ علم، دقتِ نظر اور جزئیات سے باخبری کا پتہ چلتا ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا تفصیل وایجاز کا اسلوب ملتا ہے اور اس کا ایک عام قاعدہ واسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے ایک مضمون کو اجمالاً بیان کرتا ہے پھر اس کو شرح وبسط اور تفصیل سے پیش کرتا ہے، اس نے اپنی اس خصوصیت التفصیل بعد الاجمال کا ذکر صراحتًا اس آیت میں کیا ہے۔

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ	یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں ہیں پھر خدائے حکیم وخبیر کی جانب سے ان کی تفصیل کی گئی۔

(ھود: ۱)

یہ سورۂ ہود کی پہلی آیت ہے جو اپنے سے پیشتر کی سورۂ یونس کا مثنّٰی ہے، ان دونوں سورتوں کے مرکزی مضمون میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، البتہ اجمال وتفصیل اور بحث واستدلال کے اعتبار سے دونوں کا نہج الگ الگ ہے۔ سورۂ یونس میں جو باتیں اجمالاً بیان ہوئی تھیں مثلاً گزشتہ قوموں کی سرگزشتیں۔ وہ اس سورہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دونوں سورتوں کو بغور پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں فرق صرف اجمال وتفصیل کا ہے۔ پہلی سورہ میں جو پہلو مجمل رہ گئے تھے وہ اس میں وضاحت سے لائے گئے ہیں، احکام کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح گانٹھ دینے اور مضبوط کرنے کے ہیں اگر کپڑے کو خوب گانٹھ دیا جائے اور وہ گٹھ ہو جائے تو یہ لفظ اس کے لئے بھی آئے گا، قرآنی آیات کے لئے اس لفظ کے استعمال

سے مقصود اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے مختصر اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں پھر بالتدریج وہ واضح اور مفصل ہوتی گئیں گویا مدنی دور میں دین کی بنیادی باتوں نے ایک جامع اور ہمہ گیر نظام زندگی کی شکل اختیار کرلی۔ سورۂ ہود کی پہلی ہی آیت میں بطور تمہید قرآن مجید کی یہی خصوصیت بیان ہوئی ہے کہ لوگوں کی تعلیم و ہدایت کے مقصد کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شکل میں اتارا ہے کہ پہلے صرف بنیادی اور اصولی باتیں گٹھے ہوئے الفاظ اور جملوں میں اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں پھر بتدریج انھوں نے تفصیل کا قالب اختیار کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ تورات کے معاملے میں ترتیب و تدریج اور احکام و تفصیل کا یہ اہتمام نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کا بڑا حصہ بیک دفعہ نازل ہوا ہے، آیت کے آخر میں خدا کی یہ دو صفتیں بیان کی گئی ہیں وہ قابلِ غور ہیں، ان کا منشا یہ ہے کہ خدائے حکیم ہی کو اس کا پتہ ہے کہ وہ حکمت کے خزانوں کو کس طرح مختصر لفظوں میں بند کردے اور پھر اسی خبیر ذات کی یہ شان ہے کہ وہ ان کو کھول کر دکھائے کہ ایک کوزے میں کتنے سمندر اور دریا ہیں۔

قرآن مجید کے اس اسلوب التفصیل بعد الاجمال کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم اس سے بعض مثالیں پیش کرتے ہیں: سورۂ بقرہ کی ایک آیت ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ: ۲۵۷)	اللہ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے، وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے کارساز طاغوت ہیں، وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں میں کردیتے ہیں، یہی لوگ دوزخی ہیں، یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس آیت میں جو بات مجملاً کہی گئی ہے، اس کے بعد کی تین آیتوں میں تمثیل کے اسلوب میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں تین اشخاص کے کردار زیر بحث لائے ہیں اور یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح اللہ مومنین کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں کردیتا ہے اور کافروں کو ان کے اولیا روشنی سے محروم کرکے تاریکیوں میں ڈھکیل دیتے ہیں۔

پہلے ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو اقتدار و حکومت کے نشہ میں سرشار ہے، حضرت ابراہیمؑ اسے روشنی میں لانا چاہتے ہیں، لیکن وہ بحث و مناظرہ پر کمربستہ ہو جاتا ہے اور طاغوت کہے ستے لگ جاتا ہے، گو حضرت ابراہیمؑ دلائل و براہین سے اسے مبہوت اور لاجواب کر دیتے ہیں مگر وہ معارضہ اور کٹ حجتی کی وجہ سے اپنی بدمستی سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

دوسرا شخص نیک نیتی کے ساتھ یقین و بصیرت کا طالب ہوتا ہے اس لئے وہ سرکشی اور عناد سے بحث و جدال کا طریقہ اختیار نہیں کرتا، البتہ جب اس کے دل میں خلش و اضطراب کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر کے یقین و معرفت کی روشنی بخش دیتا ہے۔

تیسرے شخص حضرت ابراہیمؑ تھے جو نہ پہلے شخص کی طرح انکار اور گھمنڈ میں بدمست تھے اور نہ دوسرے شخص کی طرح شک و اضطراب میں مبتلا تھے بلکہ وہ شرح صدر اور مزید اطمینان کے آرزومند تھے جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا۔

۲۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے بعض مفسرین مجمل آیتوں کو ان کے مابعد کی مفصل آیتوں سے منسوخ قرار دے دیتے ہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ کی احکام سے متعلق مجمل آیات کو عموماً مفصل آیات سے منسوخ مانا جاتا ہے۔ مثلاً پہلی آیتِ صوم کے متعلق ابوجعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں علما کے پانچ اقوال نقل کئے ہیں جن کا تجزیہ کرنے سے حسب ذیل تین باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الآیۃ عاشورا کے روزوں کی ناسخ ہے، ایک اور قول کے بموجب پہلے ہر ماہ میں تین دنوں کے روزے فرض تھے جو اس آیت سے منسوخ ہو گئے۔

۲۔ یہ آیت منسوخ ہے اس لئے کہ گذشتہ شریعتوں میں روزہ کا طریقہ یہ تھا کہ غروب آفتاب کے بعد بھی لوگ کھانے پینے اور جماع سے باز رہتے تھے، یہی طریقہ ابتدا میں مسلمانوں کے یہاں بھی رائج تھا جو بعد میں أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ الخ (۱۸۷) سے منسوخ ہو گیا۔

۳۔ یہ آیت نہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ اور اس میں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے۔

اگر التفصیل بعد الاجمال کے اسلوب کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہاں سرے سے ناسخ و منسوخ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ابتدائی دو آیتوں میں صوم کے متعلق جو باتیں اجمالاً بیان

کی گئی تھیں انہی کو شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ الخ کہہ کر تفصیل بیان کیا گیا ہے چنانچہ پہلی دونوں آیتوں میں اجمال کی وجہ سے جو شکوک شبہات پیدا ہو رہے تھے ان کی تفصیل بیان کرکے تیسری اور اس کے بعد کی بعض آیتوں میں رفع کیا گیا ہے۔

سورۂ مجادلہ میں پہلے یہ حکم بیان کیا گیا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ (مجادلہ: ۱۲)

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر اور پاکیزہ طریقہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ (مجادلہ: ۱۳)

کیا تم اپنے نجویٰ سے پہلے صدقہ کرنے سے ڈر گئے۔

یہاں بھی نسخ کی بحث چھیڑ دی جاتی ہے حالانکہ پہلے اجمالاً ایک حکم بیان کیا گیا ہے کہ منافقین محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے کے لئے بار بار آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے سرگوشی کرتے تھے۔ اس لئے انھیں نجوی سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا مگر جب اس سختی کی وجہ سے سیدھے سادے عام مسلمانوں کو زحمت پیش آنے لگی تو اس اجمال کی تفصیل بیان کرکے صدقہ کے حکم میں تخفیف کر دی گئی اور شدت کو سہولت میں بدل دیا گیا۔ بعینہٖ یہی صورت سورۂ انفال میں بھی مذکور ہے۔ پہلے کہا گیا کہ مسلمان اپنے سے دس گنا زیادہ دشمنوں پر فتح پائیں گے۔ مگر جب اس اجمال کی تفصیل بیان کی گئی تو فرمایا کہ مسلمان اپنے سے دوگنا مخالفین پر فتح حاصل کریں گے۔ دراصل ان آیتوں میں ناسخ و منسوخ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ التفصیل بعد الاجمال کا اسلوب مدنظر رکھا گیا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ سابق حکم میں تخفیف وسہولت کی بات کہی گئی ہے۔ اسی لئے فرمایا: اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا الخ

ان چند مثالوں سے ہمارا مدعا واضح ہو گیا ہوگا آخر میں اس اسلوب کے بعض فائدوں

کا ذکر بھی مفید ہوگا۔

۱۔ اجمال کے بعد تفصیل کا اسلوب لانے کا ایک مقصد بیان میں تنوع ہے۔ کیونکہ ایک ہی طرز و اسلوب کی وجہ سے مخاطب و قاری کو جو آزردگی اور بددلی پیدا ہو سکتی ہے وہ اسلوب کے تنوع کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔

۲۔ اس اسلوب سے آدمی میں غور و فکر اور تلاش و تحقیق کا داعیہ پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ محکم و مجمل آیتوں میں جو دقیق اور اہم باتیں یا حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں عدم تفصیل کی وجہ سے آدمی پہلے خود ان میں اچھی طرح غور و فکر کرے گا اور گہرائیوں میں ڈوب کر اصل حقیقت کا پتہ لگائے گا اور جب اس کی تفصیل بیان کر دی جائے گی تو معمولی استعداد والے اور کم فہم لوگ بھی ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں گے جو اجمال کی صورت میں پہلے ان کو نہیں سمجھ سکے تھے۔

۳ افہام و تفہیم کے نقطۂ نظر سے بھی یہ اسلوب موثر اور دلکش ہے کیونکہ اظہار و ابلاغ کا یہ ایک عام اور معروف طریقہ ہے کہ آدمی پہلے اپنی باتوں کو بطورِ تمہید اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے پھر بتدریج ان کی وضاحت و تفصیل بیان کرتا ہے اور آخر میں سب کا لب لباب اور خلاصہ بیان کرتا ہے، ایک عمدہ خطیب کی یہی شان ہوتی ہے، قرآن مجید کی حیثیت بھی ایک آسمانی خطیب کی ہے جو پہلے اجمالاً اپنے مطالب ذہن نشین کرتا ہے پھر ان کی تفصیلات و جزئیات کو واضح کرتا ہے اور آخر میں عود علی البدء کے اصول و اسلوب کے مطابق اپنے مطالب کا نچوڑ پیش کرتا ہے تاکہ اس کا مفہوم و مدعا بغیر کسی ایچ پیچ کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۴۔ کسی بات کو پہلے اجمالاً بیان کرنے کا یہ مقصد اور فائدہ اور بھی ہوتا ہے کہ آدمی کا ذہن اس کے لئے ہموار اور اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے پھر اس کے مزید اطمینان اور شرح صدر کے لئے اس کی تفصیل و توضیح کی جاتی ہے۔

۵۔ شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تعلیم و تربیت، ہدایت و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے بھی یہ نہایت مفید اور بابرکت طریقہ ہے کہ پہلے اصولی اور بنیادی باتیں گٹھے ہوئے الفاظ اور جامع و موثر جملوں میں مختصراً بیان کی جائیں پھر تدریجاً ان کی تفصیل پیش کی جائے۔

اسی لئے قرآن مجید بھی تدریجاً نازل ہوا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا	اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا نازل کیا تاکہ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے یک بارگی نہیں نازل کیا۔ (بنی اسرائیل ۱۰۶)

اس تدریج کی غرض وحکمت یہ ہے کہ لوگوں میں احکام الٰہی کی تعمیل کا جذبہ پیدا ہو اور وہ ان کے تحمل کے لئے اپنے کو اچھی طرح مضبوط بنائیں اور مسلمانوں کے کمزور افراد کی مکمل تربیت ہو جائے اسی لئے صحابہ کرامؓ احکام الٰہی کو سیکھنے سکھانے میں تدریج کا خیال رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے جب کوئی شخص دس آیتیں سیکھ لیتا تو جب تک ان کے علم وعمل میں پختہ نہ ہو لیتا آگے نہ بڑھتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو صرف پنجشنبہ کے روز نصیحت کرتے تھے تاکہ ان کو اکتاہٹ اور گھبراہٹ نہ ہو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر پورا قرآن مجید ایک ہی مرتبہ میں نازل کر دیا گیا ہوتا تو اس کے احکام کی تعمیل میں دشواری ہوتی اس کے نزول میں جو تدریج پائی جاتی ہے ٹھیک وہی تدریج احکام وشرائط کا مکلف بنانے میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کیونکہ یک بارگی کسی حکم کو عائد کرنے سے اس کا تحمل دشوار ہو جاتا ہے ،

تدریج کا یہی طریقہ قرآن مجید کی دعوت وپیغام کو پیش کرنے میں بھی اختیار کرنا چاہیئے کہ پہلے اصول وکلیات کی طرف لوگوں کو اجمالاً راغب کیا جائے پھر ان کی جزئیات وتفصیلات سے آگاہ کرایا جائے۔

الامعان فی اقسام القرآن

ایک تعارف

فخر الاسلام اعظمی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ مثلاً چاند، سورج، تارے آسمان، روز و شب وغیرہ۔ ان سب کی حکمت و بلاغت تک رسائی نہ ہونے کی شکل میں ان قسموں سے متعلق ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ قسمیں کیوں کھائی ہیں۔ چنانچہ ان قسموں پر تین طرح کے شبہات وارد کیے جاتے ہیں:

۱۔ قسم کھانا اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کے منافی ہے۔ اپنی بات پر قسم وہ کھاتا ہے جو اپنی بات کو حقیر اور ضعیف سمجھتا ہے اور جس کو اطمینان نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی بات کو تسلیم کریں گے۔ خود قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (القلم: ۱۰) ہر ذلیل قسم کھانے والے کی بات نہ سنو۔

۲۔ قرآن مجید میں قسمیں نہایت مہتم بالشان چیزوں پر کھائی گئی ہیں مثلاً توحید، رسالت اور معاد ہر شخص جانتا ہے کہ ان امور میں قسم کھانا لاحاصل ہے۔ نہ اس سے مخالف کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ موافق کو کیونکہ مخالف کو دلیل و حجت چاہیئے اور موافق کو سب کچھ پہلے ہی سے تسلیم ہے۔

۳۔ آدمی جن چیزوں کی قسم کھاتا ہے ان کی عظمت و تقدس کی وجہ سے قسم کھاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو کیونکر یہ زیبا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کی قسم کھائے اور وہ بھی انجیر و زیتون جیسی چیزوں کی۔

متقدمین علماء میں امام فخر الدین رازیؒ (۱۱۴۹ء–۱۲۰۹ء) اور علامہ ابن قیمؒ (۱۲۹۲ء–۱۳۵۰ء) نے ان شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان کے جوابات سے اعتراضات کا ازالہ تو کم ہوا البتہ مزید شکوک و شبہات کے دروازے ضرور کھل گئے۔ بعد کے علمائے تفسیر نے مزید تحقیق و جستجو کے

بجائے انھیں دونوں بزرگوں کے پیش کردہ جوابات پر اعتماد کرلیا اور بیشتر انھیں کو دہراتے رہے۔ حالانکہ ان دونوں بزرگوں کو خود اپنے پیش کردہ جواب پر پورا اطمینان نہیں ہے بلکہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ متاخرین علمائے تفسیر میں امام حمیدالدین فراہیؒ وہ پہلے مفسر نظر آتے ہیں جنھوں نے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے اِن قسموں کی ایک ایسی توجیہ اور اس سلسلے میں ایک ایسا جامع اصول پیش کیا ہے جس سے تمام گتھیاں خود بخود سلجھ جاتی ہیں اور نفس مسئلہ آئینہ کی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ آئندہ سطور میں امام فراہیؒ کے اسی نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآنی قسموں کی مفاہیم ومطالب کے تعلق سے امام فراہیؒ نے ایک معرکۃ الآراکتاب "الامعان فی اقسام القرآن" تصنیف فرمائی ہے۔ جو پہلی بار دارالمصنفین اعظم گڑھ (۱۹۳۰ء) اور دوسری بار کویت سے (۱۹۸۰ء) شائع ہوچکی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب "تدبر قرآن" نے اس کا اردو زبان میں ترجمہ بھی کردیا ہے۔ سطور ذیل قلم بند کرتے وقت راقم کے پیش نظر یہی اردو ترجمہ رہا ہے جو دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ سے طبع ہوکر بہت پہلے منظر عام پر آچکا ہے۔

مولانا فراہیؒ نے آغاز بحث میں پہلے قرآنی قسموں کے باب میں امام رازیؒ اور امام ابن قیمؒ کے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے اور اس کی کمزوریوں کی وضاحت کی ہے۔

امام رازیؒ کا نقطۂ نظر

امام رازیؒ نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل توضیحات پیش کی ہیں:

۱۔ سورہ صافات میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ قسم سے پہلے چونکہ دلائل بیان ہوچکے ہوتے ہیں۔ اس لئے اصل اعتماد ان دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ قسم پر، قسم محض تاکید کے لئے ہوتی ہے۔ امام رازیؒ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ خود قرآن سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دلائل کی وضاحت کے بعد جتنی قسمیں آئی ہیں ان سے کہیں زیادہ وحی کے ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ امام رازیؒ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ قسم کو مقسم بہ کی تعظیم وتقدیس کے لئے ایک طرح کی تاکید سمجھتے ہیں چنانچہ سورہ ذاریات کی تفسیر میں انھوں نے لکھا ہے کہ "قسم سے مقصود مقسم بہ کی عظمت وجلالت پر تنبیہ کرنا ہے" یہی اصول انھوں نے سورۂ تین میں بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پہلے تین وزیتون کے عام معنی فرض کرکے انجیر وزیتون کے فوائد پر تقریر کی ہے۔ اس کے بعد اس مفروضہ پر کہ ان سے دو مسجدوں

اور مقامات کی عظمت و تقدیس کو واضح کیا ہے۔ اس جواب سے تیسرے شبہہ کا کسی طرح ازالہ نہیں ہوتا کیونکہ جن چیزوں کی قرآن مجید میں قسمیں کھائی گئی ہیں وہ کسی صورت میں بھی یہ مرتبہ نہیں رکھتیں کہ ان کا پیدا کرنے والا ان کی قسم کھائے۔

۳۔ امام موصوف کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے، قسم کے قسم ہونے سے انکار کر دیتے ہیں کہ نہ قسم مانیں گے نہ شبہات و اعتراضات کے وارد ہونے کا امکان رہے گا۔

امام صاحب کے اس مسلک کا ضعف اس قدر واضح ہے کہ عربی زبان و ادب کا ذوق رکھنے والا کوئی شخص اسے کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

دراصل قسموں کے باب میں امام رازیؒ کے نزدیک کوئی واضح فکر نہیں ہے، اس لئے وہ مضبوطی سے کسی ایک دلیل پر قائم نہیں رہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "تمام قسمیں دلائل ہیں جو قسموں کی صورت میں پیش کئے گئے ہیں" کہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ "قسمیں کھا کر بت پرستوں کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ تمہاری بت پرستی اس قدر لغو اور بے بنیاد چیز ہے کہ اس کے لئے بس اسی قسم کی دلیل کافی ہے" گویا قسم دلیل تو ہوتی ہے مگر پھسپھسی اور کمزور۔ کہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ "عرب جھوٹی قسموں کے وبال سے بہت ڈرتے تھے۔ اس طرح ان قسموں کے ذریعہ ان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ دیکھو یہ نبی سچا ہے، اس لئے پھل پھول رہا ہے اگر وہ جھوٹا ہوتا تو تمہارے عقیدے کے مطابق وہ کب کا تباہ ہو چکا ہوتا۔"

علامہ ابن قیمؒ کا نقطۂ نظر

قرآنی قسموں کے سلسلے میں علامہ ابن قیمؒ کے پیش نظر دو بنیادی اصول ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قسمیں اپنی ذات اور نشانیوں کی کھائی ہیں جہاں کہیں کسی مخلوق کی قسم کھائی ہے تو وہ بھی اصلاً اس کی ذات ہی کی قسم ہے، کیونکہ وہ چیز بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

۲۔ قرآن کی تمام قسموں کا مقسم علیہ تین متعین چیزیں ہیں، توحید، نبوت اور معاد۔ قسم خود بخود ان پر دلالت کرتی ہے۔

ان اصولوں کی بنیاد پر علامہ ابن قیمؒ کے نزدیک مقسم علیہ کی کھوج کرید کی کوئی خاص ضرورت ان جگہوں پر بھی نہیں رہ جاتی جہاں مقسم علیہ مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ "والعصر" اور "والعادیات" کی قسموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں جواب قسم حذف کر دیا گیا، کیونکہ معلوم ہے کہ انھیں تین امور توحید، رسالت اور قیامت پر قسم کھائی جاتی ہے۔

علامہ ابن قیم آیات قسم کی تاویل و تفسیر کرتے وقت عموماً ان دو اصولوں پر قائم رہے ہیں۔ البتہ جہاں کہیں ان کو اشکال پیش آیا ہے وہاں انھوں نے مقسم علیہ کو محذوف مان کر قسم کو صفات الٰہی قرار دیدیا ہے۔

علامہ موصوف کا یہ نقطۂ نظر امام رازیؒ کی توضیحات کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور مناسب ہے۔ لیکن یہ شبہ بدستور باقی رہتا ہے کہ مخلوق کے مقسم بہ ہونے میں کیا راز ہے؟ اگر قسم کسی اعلیٰ و اشرف چیز کی کھائی جاتی ہے تو کسی شے کا اس درجہ بلند ہونا کہ زمین و آسمان کا خالق اس کی قسم کھائے ایک ایسی بات ہے جس پر علامہ کے ان جوابات کے باوجود طبیعت کھٹکتی ہے۔

امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر

امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی قسمیں آئی ہیں استدلال واستشہاد کے لئے آئی ہیں اور وہ دراصل فطری دلیلیں اور تاریخی شہادتیں ہیں جو قسموں کی صورت میں پیش کی گئی ہیں نہ تو وہ صفات الٰہی کی قسمیں ہیں جیسا کہ علامہ ابن قیم کا خیال ہے اور نہ ان کا تعلق تعظیم و تقدیس سے جیسا کہ امام رازیؒ کا نظریہ ہے گویا امام فراہیؒ کے نزدیک ان لوگوں کا مسلک صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ یہ قسمیں دلیلیں ہیں لیکن یہ حضرات قسموں کو دلیل ماننے کے ساتھ ساتھ اس شبہ میں بھی گرفتار ہیں کہ قسم میں مقسم بہ کی تعظیم کا بھی پہلو ہوتا ہے۔ درحقیقت یہی وہ غلط فہمی ہے جو قرآن مجید کی قسموں کے باب میں تمام شبہات کا سرچشمہ بن گئی۔ اس لئے امام فراہیؒ نے سب سے پہلے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ قسم کو مقسم بہ کی تعظیم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس امر کی وضاحت کے لئے امام فراہیؒ نے سب سے پہلے قسم کی ضرورت اس کی ابتدائی حقیقت اور اس کی تاریخ بیان کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے۔

قسم کی ابتدائی حقیقت اور اس کی تاریخ

بعض اوقات آدمی مخاطب کو مطمئن کرنے کے لئے ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے کسی بیان یا وعدے کو تاکید کے ساتھ پیش کرے، خصوصیت کے ساتھ اہم قومی اجتماعی معاملات میں ایسا کرنا بسا اوقات

ناگزیر ہوتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ، ایک بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ یا عام افراد آپس میں کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو باہمی اعتماد و اطمینان کے لئے اس طرح کی تاکید و توثیق ضروری سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ چیز موافق کو مخالف اور دوست کو دشمن سے پہچاننے کا معیار قرار پا جاتی ہے۔

انسان کی اس تمدنی ضرورت نے طرح طرح کے طریقے اور خاص خاص الفاظ پیدا کر دئے جن سے لوگ اس تاکید کا اظہار کرنے لگے۔ یہی قسم کی اصل حقیقت ہے۔ اختصار کی غرض سے محض ان چند خاص طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جنھیں اپنی بات کی تائید کے اظہار کے طور پر ابتداء میں اختیار کیا گیا تھا۔

۱. رومیوں، عربوں اور عبرانیوں کا طریقہ یہ تھا کہ معاہدہ کے وقت ایک فریق دوسرے فریق کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا تو یہ فریقین کی طرف سے معاہدہ کی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ اس کی پابندی کا اظہار قرار پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قسم کے لئے "یمین" کا لفظ استعمال ہوا۔ ایک عرب شاعر جساس نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ساودی حق جاری

ویدی رھن ضالی

(میں اپنے پڑوسیوں کا حق ادا کروں گا اور میرے ہاتھ میرے کارناموں کے بدلے رہن ہیں)

۲. دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جب بہت سے آدمی کسی معاہدے میں شریک ہوتے تو ایک طشت میں پانی بھرتے اور تمام شرکاء اس میں اپنا داہنا ہاتھ ڈالتے۔ اس طرح گویا ہر شخص نے ایک دوسرے کا داہنا ہاتھ پکڑ کر کسی بات پر اتفاق کیا ہے۔ کبھی یہ مشترک چیز پانی کے بجائے عطر ہوتی۔ اس کو سب ملتے اور شریک پیمان ہوتے۔ اس قسم کے معاہدے کی مثال "عطر منشم" کے قصے میں ملتی ہے۔ زہیر ایک شعر میں کہتا ہے

تدارکتما عبسا و ذبیان بعدما

تفانوا ودقوا بینھم عطر منشم

(تم دونوں نے عبس اور ذبیان کو اس وقت سنبھالا جب وہ آپس میں لڑ کر فنا ہو چکے تھے اور منشم کا عطر تقسیم کیا تھا)۔

اسی طرح کبھی کوئی جانور ذبح کرتے اور اس کا خون فریقین اپنے اوپر چھڑکتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ دوستی کا رشتہ خون اور قرابت کے درجے کا ہے یا اس عہد کی حفاظت کے لئے فریقین اپنا خون تک بہا دیں گے۔ تورات میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔

۳- ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اپنی رسی ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتے اور اس طرح باہم حلیف بن جاتے چنانچہ لفظ 'حبل' (رسی) ذمہ اور جوار کے معنی کے لئے استعمال ہونے لگا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ — مگر اللہ کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے اور لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے۔ (آل عمران: ۱۱۲)

امرا القیس کا شعر ہے

انی بحبلک واصل حبلی
وبریش نبلک واصل نبلی

(میں تیری رسی کے ساتھ اپنی رسی جوڑوں گا اور تیرے تیر کے پر کے ساتھ اپنا تیر لگاؤں گا)

حطیہ نے اپنے ایک شعر میں اس کی اصل حقیقت بے نقاب کر دی ہے:

قوم یبیت قریر العین جارھم
اذا لوی بقوی اطنابھم طنبا

(یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا پڑوسی چین کے ساتھ سوتا ہے جب کہ ان کی رسی کے ساتھ اپنی رسی جوڑ لیتا ہے)۔

اس تفصیل کے آخر میں امام فراہیؒ لکھتے ہیں:

'یہ ساری تفصیل یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ قسم کا مقصود محض بات کی تاکید ہوتا ہے یا جس بات کے کرنے یا نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہے اس کے لئے عزیمت کا اظہار اور مقسم بہ کے ایسے لوازم میں سے نہیں ہے کہ جہاں اس کا ذکر نہ ہو خواہ مخواہ اس کو محذوف مانا جائے۔

اس بحث کے بعد امام فراہیؒ نے بعض مشہور الفاظ کی لغوی اور تاریخی تشریح کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ "قسم کے لئے مقسم بہ سرے سے کوئی ضروری چیز نہیں ہے، اس کی تعظیم و تقدیس کا پہلو تو الگ رہا۔ ان الفاظ قسم کا اصل مفہوم و معنی بھی محض اپنی بات کی تاکید اور عزیمت کا اظہار رہے۔

قسم کا مفہوم جب کہ مقسم بہ موجود ہو

مقسم بہ والی قسموں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مولانا فراہیؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ان کی حقیقت بس یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے ساتھ اپنے دعوی کی دلیل و شہادت کے طور پر مقسم بہ کو ملا لیا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قسموں میں بیشتر 'و'، 'ب' اور 'ت' کا استعمال پایا جاتا ہے

جو معیت و صحبت ظاہر کرنے والے حروف ہیں۔ "و" اور "ب" تو عام طور پر مشہور و مستعمل ہیں اور "ت" بھی حقیقت میں "و" ہے جو بدل کر "ت" بن گیا ہے اس کی مثال "تقوی" اور "تجاہ" وغیرہ ہیں۔

قسم کی اصل حقیقت

امام فراہیؒ نے محکم دلائل اور شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ کسی شے کی قسم کا مطلب دراصل اس شے کی شہادت پیش کرنا ہے۔"

قسموں کے بارے میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ قسمیں ہمیشہ سب کے سامنے ہوا کرتی تھیں اور دونوں فریق اپنی قسموں کو پورا کرنے کے لئے موقع پر موجود رہا کرتے تھے۔ کیونکہ آدمی اپنے تئیں سب کی نظروں کے سامنے جھوٹا ثابت کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ قرآن مجید سے بھی اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝)

(آل عمران: ۸۱-۸۲)

اور وہ وقت یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے بارے میں میثاق لیا۔ البتہ میں تم کو جو کتاب و حکمت دوں، اور پھر جب آئے تمہارے پاس کوئی رسول مطابق اس کے جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ پوچھا کیا تم نے اقرار کیا تم نے اقرار کیا۔ کہا بس گواہ ہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس جنھوں نے منہ موڑا اس کے بعد وہی لوگ بدعہد ہیں

اس طرح کی تاکید کا اصل راز یہ ہے کہ جب آدمی کہتا ہے "اشہد" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنے علم و واقفیت اور مشاہدے کی بنیاد پر کہتا ہوں صرف دوسروں سے سن کر نہیں کہتا۔ اس بنا پر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا تھا:

وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ (یوسف: ۸۱)

ہم نے شہادت دی مگر اس بات کی جو ہم نے جانی اور ہم غیب کے عالم نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ "انا اشهد، واللہ یشهد، واللہ یعلم" وغیرہ الفاظ عام طور پر قسم کے لئے مستعمل ہیں۔ اس کی مثال ہماری زبان میں بھی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے" "درو دیوار گواہ ہیں"۔ "میدان کارزار شاہد ہے"۔ عربوں میں یہ طریقہ بہت عام تھا۔ مثلاً راعی کا شعر ہے

ان السماء وان الريح شاهدة
والارض تشهد والايام والبلد

(آسمان اور ہوا شاہد ہیں۔ زمین شاہد ہے۔ زمانہ اور شہر گواہ ہیں)۔

لقد جزيت بنى بدر ببغيتها
يوم الهباءة يوما ماله قود

(میں نے نبی بدر کو ہباءہ کی لڑائی میں ان کی سرکشی کا ایسا مزہ چکھایا جس کا بدلہ ممکن نہیں)۔

نابغہ کہتا ہے:

والخيل تعلم انا فى تجادلنا
عند الطعان اولو بوس وانعام

(گھوڑے جانتے ہیں (گواہ ہیں) کہ ہم نیزہ بازی میں جولانی کے وقت کسی کے لئے عذاب ہیں اور کسی کے لئے رحمت)۔

عنترہ کہتا ہے:

والخيل تعلم والفوارس اننى
فرقت جمعهم بطعنة فيصل

(گھوڑے اور شہسوار گواہ ہیں کہ میں نے ایک فیصلہ کن نیزہ بازی سے ان کی جمعیت منتشر کر دی)

ان اشعار پر غور کیجئے گھوڑوں، سواروں، زمین، آسمان اور ہوا وغیرہ کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تم ان سے پوچھو اور یہ جواب دے سکیں تو یہ ہمارے دعویٰ کی تائید و تصدیق میں فوراً بول اٹھیں گے۔ اس دعویٰ کی تائید فضیل بن عیسیٰ بن حبان کے وعظ سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں یہی اسلوب استعمال کیا ہے:

سل الارض من شق انهارك — زمین سے پوچھو تیری نہریں کس نے جاری کیں

وغرس اشجارک وجنی ثمارک فان لم تجبک حوارًا اجابتک اعتبارًا۔

تیرے درخت کس نے لگائے۔ تیرے پھل کس نے چنے اگر زبان قال سے جواب نہ دے سکے گی تو زبان حال سے ضرور جواب دے گی۔

چونکہ بیان کے اس طریقہ سے واقعہ کی صحت اور مخاطب کو یقین دلانا پیش نظر تھا اس لئے آہستہ آہستہ یہ طریقہ قسم کے معنی میں مستعمل ہونے لگا یعنی شہادت پیش کرنا اور قسم کھانا بالکل مرادف ہوگیا۔ عمرو بن معدی کرب کا ایک شعر ہے

الله یعلم ما ترکت قتالھم

حتی علوا فرسی ماسعر مذبد

(خدا گواہ ہے کہ میں نے ان سے مقابلہ نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ سرخ اور جھاگ والے خون کے ساتھ میرے گھوڑے پر چھا گئے)

اس شعر میں اللہ جانتا ہے، کا لفظ شاعر نے قسم کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اُردو میں بھی قسم کے مواقع پر کہا جاتا ہے "اللہ جانتا ہے"، "خدا گواہ ہے"، "اللہ شاہد ہے"۔ قرآن مجید میں بھی متعدد جگہوں پر شہادت کے الفاظ قسم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ سورۂ نور میں ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ

(النور: ۸)

اور اس سے سزا کو یہ بات دفع کر سکتی ہے کہ وہ چار قسمیں کھائے کہ وہ جھوٹا ہے۔

اس آیت میں صراحتًا لفظ 'شہادت' قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سارے قضیہ کو سورۂ منافقون کی ایک آیت چکا دیتی ہے جس میں 'شہادت' اور 'اشہاد' تصریح کے ساتھ قسم کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ فرمایا گیا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

(المنفقون: ۱-۲۔)

جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے۔ پس اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اس آیت میں صاف طور پر منافقین کی "شہادت" کو "یمین" یعنی قسم کہا گیا ہے۔ حالاں کہ منافقین نے قسم کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ "نشہد" کو قسم قرار دیا ہے۔

یہ تفصیل اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ قسم سے مقصود محض اپنی بات پر دلیل و شہادت پیش کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اہلِ عرب بسا اوقات ایسی چیزوں کو بھی شہادت میں پیش کرتے ہیں جن کو نہ پوجتے تھے اور نہ ان کی کسی طرح تعظیم کرتے تھے۔ مثلاً آسمان، زمین، جنگجو، گھوڑے، شہسوار، نیزہ اور اس کی نوک، تلوار اور اس کی دھار، چھریاں، دیگیں اور اونٹنیاں وغیرہ۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم مانتے ہیں کہ قسم کی اصل شہادت کے لئے ہے لیکن چونکہ اس کا استعمال زیادہ تر تعظیم کے لئے ہے اس لئے آپ اس کا یہی مفہوم باقی رہ گیا ہے اور اصل مفہوم یعنی شہادت بالکل غائب ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کی ممانعت وارد ہے۔ پس اس کے اصل مفہوم یعنی شہادت کو کس طرح تسلیم کیا جائے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس خاص مفہوم کی طرف راہنمائی خود قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر محض چند دلائل پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ قرآن مجید نے ایک لفظ کبھی بندے کے لئے استعمال کیا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے۔ ایسی صورت میں لامحالہ لفظ کے مختلف مفاہیم میں فرق کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو اس کی عظمت و تقدیس کے منافی ہو۔ مثلاً لفظ "صلوٰۃ" جب بندے کی طرف سے ہو تو دعا کے معنی میں ہے اور جب اللہ کی جانب سے ہو تو رحمت کے مفہوم میں ہے۔ حق یہ ہے کہ ہماری لغت کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کو ہم اس فرق کے لحاظ کے بغیر استعمال کرتے ہوں۔ بعینہٖ یہی طریقہ قسم کے مفہوم میں بھی اختیار کرنا ہوگا اگر ہم قسم سے شہادت و دلیل کے ساتھ ساتھ عظمت و تقدیس کا بھی مفہوم مراد لیں تو یہ مفہوم خدا کے لئے مناسب اور شایانِ شان نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے بعض چیزوں کو اپنے لئے معظم و مقدس بنالے گا خصوصاً ایسی چیزیں جن میں عظمت و تقدیس کا کوئی پہلو بھی نہ ہو مثلاً تین و زیتون، دوڑنے والے گھوڑے،

اور غبار اڑانے والی آندھیاں، وغیرہ۔

٢۔ حمل النظیر بالنظیر اور تفسیر الآیات بالآیات کا اصول بھی رہبری کرتا ہے کہ قسم سے مقصود دلیل و شہادت ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کبھی تو دلائل و شواہد کو سادہ اسلوب میں بیان کرتا ہے اور کبھی ان کے لئے قسم کا اسلوب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً سادہ اسلوب میں فرمایا گیا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ	آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات اور
اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ	دن کی آمد و شد اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے لئے
تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ	نفع رساں سامان لے کر سمندروں میں چلتی ہیں
اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ	اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اور اس
بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّ	سے زمین کو خشک ہونے کے بعد شاداب کیا اور
تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ	اس میں طرح طرح کے جانور پھیلائے اور ہواؤں
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ؁	کی گردش اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر
(البقرۃ: ١٦٤)	بادلوں میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں

اب سادہ اسلوب والی آیات پر نظر ڈال کر دیکھئے وہ کیا چیزیں ہیں۔ آسمان، زمین، سورج چاند، رات، دن، فجر، وقت چاشت، ہوا، ابر، پہاڑ، سمندر، شہر، انسان، باپ، بیٹا، نر، مادہ وغیرہ ظاہر ہے یہ وہی چیزیں ہیں جو سادہ اسلوب میں بطور دلیل و شہادت پیش کی جاتی ہیں ان کو تعظیم کے مفہوم میں لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

٣۔ مقسم بہ اور مقسم علیہ میں نہایت واضح مناسبت ہوتی ہے اگر کوئی صاحب نظر ادنیٰ تامل سے کام لے تو مقسم علیہ کے ساتھ مقسم بہ کے تعلق کو پا سکتا ہے۔ امام رازیؒ بطور اصول قسم کو تعظیم کے لئے سمجھتے ہیں تاہم سورۂ ذاریات کے شروع میں جو قسمیں آئی ہیں ان کے اندر دلیل و شناخت ہونے کی جھلک انکو بھی نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہاں لکھتے ہیں:

انھا کلھا دلائل اخرجھا فی	یہ سب دلائل ہیں جو بطور قسم پیش کئے
صورۃ الایمان	گئے ہیں۔

٤۔ بعض جگہ مقسم بہ کے بعد ایسی تنبیہات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اہل نظر

کے سامنے بطورِ دلیل و شہادت پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ فجر میں قسمیں کھانے کے بعد فرمایا گیا:

هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ — کیا اس میں عقلمند کے لئے قسم ہے۔

(الفجر: ۵)

یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسی کہ بالعموم دلائل کے ذکر کے بعد قرآن میں آتی ہے۔ مثلاً سورۂ نحل میں بہت سے دلائل پیش کرنے کے بعد فرمایا گیا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ — بلاشبہ اس میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (الرعد: ۴)

سورۂ طٰہٰ میں ہے "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی"۔ آل عمران میں ہے "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لِّاُولِی الْاَبْصَارِ"

اسی عام اسلوب کے مطابق سورۂ فجر میں بھی قسمیں کھانے کے بعد فرمایا کہ ان قسموں میں اہلِ عقل و بصیرت کے لئے بہت سے دلائل پوشیدہ ہیں۔

قسم کا مفہوم تعظیم کے پہلو سے

تعظیم یا تقدیس قسم کے لازمی شرائط میں سے نہیں ہیں بلکہ اس کے عوارض میں سے ہیں۔ خاص خاص صورتوں میں یہ مفاہیم پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے اصولی مفہوم یعنی دلیل و شہادت کے فرع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام فراہیؒ نے تعظیمی قسموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کے لئے یہ ضروری شرط ہے کہ مقسم بہ مخاطب یا متکلم کی طرف مضاف ہو۔ نیز اس کے لئے مخصوص الفاظ ہوتے ہیں مثلاً لعمرك، لعمر ابیك وجدك ولجزتك۔ اور جب مقسم بہ مخاطب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مقصود مخاطب کی عزت و احترام کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ — تیری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں بھٹک رہے ہیں۔ (الحجر: ۷۲)

اس قسم سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام کا اظہار ہے اور جب مقسم بہ کی اضافت متکلم کی طرف ہوتی ہے تو اس سے خود اپنی عزت و عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً نابغہ ذبیانی کہتا ہے:

لعمری وما عمری علی بھین
لقد نطقت بطلاً علی الاقارع

(میری جان کی قسم اور میری جان کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ بنی قریع بن عوف نے میرے بارے میں بے اصل باتیں کہی ہیں)

اس قسم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ قسم ایسی چیز کی کھائی جائے جس کا احترام اور جس کی جس کی عزت مخاطب کی نظروں میں مسلم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کی ان قسموں کا جن میں ذاریات عادیات، خنس وغیرہ کے قبیل کی چیزیں مقسم بہ ہیں تعظیمی قسموں سے بالکل علیحدہ ہیں۔

قسم کا مفہوم تقدیس کے پہلو سے

تقدیس کے پہلو سے قسم کی تفصیل وتشریح کرتے ہوئے امام فراہیؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ "دینی و مذہبی قسموں کا مقصود بھی دراصل اللہ کو گواہ بنانا ہے۔ پھر اس سے اس کے وکیل و کفیل ہونے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔ بعض قسم کھانے والوں کی ذہنیت یہ ہوتی تھی کہ اگر انھوں نے اس قسم یا عہد میں جھوٹ اور فریب کو راہ دی تو موجب قہر الٰہی ہوگا۔ نابغہ کے مندرجہ ذیل شعر میں یہ تصور پوری طرح نمایاں ہے:

فلا لعمر الذی مسحت کعبتہ
وما ھریق علی الانصاب من جسد

(بس نہیں، اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا اور اس خون کی قسم جو تھانوں پر بہایا گیا)

والمؤمن العائذات الطیر تمسحھا
رکبان مکۃ بین الغیل والسعد

اور اس ذات کی قسم جو چڑیوں کو پناہ دیتی ہے جن پر غیل وسعد کے درمیان مکہ کے قافلے گزرتے ہیں

لیکن ان کو چھیڑتے ہیں:

ما قلت من سیئ مما اتیت بہ
اذا فلا رفعت سوطی الی یدی

(کہ میرے متعلق جو غلط بات تم کو پہنچائی گئی ہے وہ میں نے نہیں کہی ہے۔ اگر میں نے وہ بات کہی ہو تو میرے ہاتھ شل ہو جائیں

اذاً فعاقبنی ربی معاقبۃ
قرت بھا عین من یاتیک بالفند

(اور یہ رب مجھ کو ایسی سزا دے کہ اس سے میرے حاسد کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں)

ان اشعار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دینی قسموں کی اصل حقیقت بھی شہادت ہے۔ ان میں تعظیم کا مفہوم محض مقسم بہ کی جہت سے داخل ہو گیا ہے۔ قسم کے اصل مفہوم یعنی شہادت کی جہت سے نہیں داخل ہوا ہے۔

گزشتہ سطور میں قرآنی قسموں کی حقیقت اور اس کے مفہوم پر جو تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام فراہیؒ نے کس طرح قرآنی دلائل، لسانی شواہد اور ناقابلِ تردید تاریخی حقائق کی روشنی میں اپنے اس نقطۂ نظر کو ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی تمام قسمیں استدلال و شہادت کے لیے ہیں۔ یہ فطری دلائل اور تاریخی شواہد ہیں جو قسم کے پیرائے میں پیش کیے گئے ہیں۔ امام فراہیؒ کو اپنے اس نقطۂ نظر پر اس قدر اطمینان اور اعتماد حاصل ہے کہ اپنی تفسیر "نظام القرآن" میں جہاں کہیں قسموں پر گفتگو کی ہے اسی جہت سے کی ہے اور اسی اصول پر تمام آیات قسم کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ وہ اپنے اس اصول و نظریہ پر از اول تا آخر قائم رہے۔ کہیں بھی اس اصول کا دامن ان سے چھوٹتے نہیں پایا اور نہ کہیں وہ تحیر و اضطراب کا شکار ہوئے۔ طوالت کے اندیشے سے ان کی تفسیر سے مثالیں نہیں پیش کی جا رہی ہیں۔

امام فراہیؒ نے اپنی کتاب "الامعان فی اقسام القرآن" کے آخر میں اس امر سے بھی تفصیلی بحث کی ہے کہ استدلال و استشہاد کا یہ اسلوب محض تنوع کی خاطر نہیں اپنایا گیا ہے بلکہ اس میں بے پناہ بلاغتیں اور گوناگوں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ کوئی دوسرا اسلوب اس سے زیادہ موثر بلیغ اور جامع دلائل نہیں ہو سکتا۔

مولانا نے آخر میں قسموں کی اس اصل حقیقت سے علماء کی چشم پوشی کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایسا غور و فکر کی کمی، بعض قسموں سے مترشح ہونے والے عظمت و شرف کو تمام قسموں کی کلید بنا لینے اور مروجہ اصولوں کو جانچے پرکھے بغیر تسلیم کر لینے کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا فراہی عام روش سے ہٹ کر اپنی مجتہدانہ بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآنی قسموں سے متعلق ایک ایسا نظریہ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جس کی تائید اسلوب قرآنی، تاریخی شواہد اور کلام عرب سے ہوتی ہے۔

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۸/۲ جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۳ء

تفسیر ماجدی ـــــ ایک جائزہ

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (۱۸۹۲ ـ ۱۹۷۷ء) کی ذات گوناگوں اوصاف وعناصر سے مرکب تھی۔ فلسفہ، شاعری، تصوف اور صحافت سے ان کی علمی زندگی کے مختلف ادوار کی شناخت ہوتی ہے۔ مثلاً وہ ادیب وانشا پرداز تھے اور اس حد تک کامل تھے کہ ایک صاحبِ طرز ادیب کہلائے۔ لیکن ان کی زندگی کا سب سے اہم باب قرآنی علوم کی خدمت کا ہے۔

قرآنیات میں مولانا کی چند کتابیں بہت اہم ہیں مثلاً:

۱۔ الحیوانات فی القرآن یا حیوانیات قرآنی۔ یعنی قرآن مجید میں جن جانوروں کا ذکر آیا ہے ان کے اسماء وافعال وصفات کا یہ ایک جامع قاموس ہے۔ ان کی ترتیب حروف تہجی کے حساب سے کی گئی ہے۔

۲۔ ارض قرآن یا جغرافیہ قرآنی۔ اس کتاب میں قرآن مجید کے تمام جغرافی اسماء، ملک، شہر، پہاڑ اور ان کے متعلقات کا جامع لغت تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ اعلام القرآن یا قرآنی شخصیات۔ اس میں جن وانس اور فرشتے ہر قسم کی قرآنی شخصیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ مولانا اعداد قرآنی، نباتات قرآنی اور جمادات قرآنی پر بھی کتابیں لکھنا چاہتے تھے مگر وقت اور حالات کی وجہ سے یہ مکمل نہ ہوسکیں۔ ان کے علاوہ قرآنیات میں مولانا کی دو اہم کتابیں سیرت نبوی قرآنی اور بشریت انبیاء بھی لائق ذکر ہیں۔ یہ تمام کتابیں دراصل تفسیر ماجدی کی تیاری اور ترتیب کا ثمرہ ہیں۔

قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کا خیال سب سے پہلے ۱۹۳۳ء میں ان کے ذہن میں آیا۔ انھوں نے دیکھا کہ انگریزی زبان میں اہل سنت وجمہور امت کی طرف سے قرآن مجید کا ایک بھی انگریزی ترجمہ نہیں ہے[۹]۔ بعض احباب کی جانب سے بھی اس کی ضرورت کا احساس دلایا گیا۔ چنانچہ انھوں نے یہ ذمہ داری قبول کی، انگریزی ترجمہ مع حواشی، جولائی ۱۹۳۹ء میں حوالہ طباعت ہوا اور مختلف مشکلات و مراحل سے گزرنے کے بعد ۱۹۴۱ء تک مکمل شائع ہوا۔ انگریزی ترجمہ سے ان کو یہ حوصلہ ملا کہ زیادہ تفصیل و وسعت کے ساتھ اردو ترجمہ و تفسیر کا کام بھی ہو جائے[۱۰]۔ چنانچہ ۱۹۴۰ء میں انھوں نے اس پر توجہ دی اور تقریباً چار برس میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا[۱۱]۔ ۱۹۴۴ء سے اس اردو تفسیر کی طباعت کا آغاز ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد تفسیر چھپ کر سامنے آئی تو اس میں کچھ کمیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں۔ جن میں کچھ کا تعلق حالات و ظروف کی تبدیلی سے ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۴۰ء۔ ۱۹۴۲ء تک بنی اسرائیل دنیا کی ایک مغضوب ترین قوم تھی۔ قدیم تفسیروں کی طرح مولانا نے بھی اپنی اس تفسیر کی آیات متعلقہ میں ان کی اسی حالت کا اظہار کیا تھا۔ ۱۹۴۵ء کے بعد صورت حال بدلنا شروع ہو گئی۔ ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کی ایک مستقل حکومت قائم ہو گئی۔ اس کے علاوہ سائنس کی دنیا میں جو حیرت انگیز ترقیاں ہوئیں، ان کی وجہ سے طبعیات اور تکوینیات والی آیتوں میں ان کا لحاظ بھی ضروری ہو گیا، اس لئے مولانا نے نظر ثانی کا کام شروع کیا۔ اس مقالہ میں اسی نامکمل تفسیر جدید کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ترجمہ کی مشکلات

ترجمہ کا کام جس قدر مشکل اور صبر آزما ہے مولانا اس سے بخوبی واقف تھے۔ تفسیر کی پہلی جلد کے افتتاحیہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ غالب و اقبال اور گلستان سعدی و مثنوی مولانا روم کے ترجمے بڑی قابلیتوں اور اہتمام و کاوش سے ہوئے۔ لیکن ان سب میں اصل اور ترجمہ میں ادبی و ذوقی حیثیت سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ تو جب انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا یہ حال ہے تو دنیا کی ہر عظیم تر کتاب سے عظیم تر کتاب اور ہر بلند نوشتہ سے بلند تر نوشتہ کے باب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس "الکتاب" کو کما حقہ اپنی زبان میں منتقل کر دے[۱۲]۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے استاذ معنوی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر

'بیان القرآن' کے ترجمے کے بڑے حصہ کو یعنی تقریباً ۸۰ فیصدی حصے سے استفادہ کیا۔ مولانا تھانوی کی تفسیر کو وہ اردو کی ساری تفسیروں کا سرتاج سمجھتے تھے۔[۵]

تفسیر کے مسائل

ان کے سامنے یہ حقیقت بھی تھی کہ ترجمے سے زیادہ دشوار کام شرح و تفسیر کا ہے۔ قرآن مجید بیک وقت زندہ جاوید اور ہمہ وقت تازہ اور عالمی یا آفاقی صحیفۂ ہدایت بھی ہے اور بہ قید زمان و مکان ایک متعین ملک اور متعین ماحول کے لئے مخصوص بھی ہے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر انھوں نے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ تفسیری خدمات انجام دینے والوں کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ

"قرآن کا خطاب ایک طرف تو دنیا کے ہر ملک و اقلیم کے لئے ہے اور جس طرح وہ پہلی صدی ہجری کے لئے تھا اسی طرح وہ چودھویں صدی ہجری کے لئے بھی ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ حقیقت بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کی اولین مخاطب عرب قوم تھی جو تاریخ کے ایک متعین زمانہ یعنی ساتویں صدی عیسوی کے ثلث اول میں موجود و آباد تھی۔ قرآن مجید کی یہ دوگانہ حیثیت یعنی ایک طرف عالمی و آفاقی اور دوسری طرف قومی و وطنی، موجود ہی نہیں بلکہ برابر ساتھ ساتھ چل رہی ہے"[۶]

مولانا کے خیال میں اگر یہ حقیقت ملحوظ رہے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ قرآن کی معنویت گو عالمگیر و آفاقی ہے لیکن صورت و قالب کے لحاظ سے وہ بہرحال عربی کلام ہے۔ اس میں زبان کی سلاست و لطافت اور بیان کی فصاحت و بلاغت جو کچھ بھی ملے گی سب عربی ہی کے معیار کے مطابق ملے گی۔ اس لئے زبان کے اس صریح اور واضح معیار کو چھوڑ کر اسے کسی بھی غیر عرب پیمانے سے ناپنے کا مطالبہ کرنا خود اپنے جہل اور نامعقولیت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

جدید مفسرین و شارحین کے متعلق مولانا کا خیال تھا کہ ان کے لئے ضروری ہے کہ تاریخ اقوام عالم، علم جغرافیہ، علم مذاہب و ادیان کے ساتھ ساتھ جدید سائنس کے مختلف شعبوں خصوصاً فلکیات سے بھی مطلقاً بے بہرہ نہ ہوں۔ ورنہ باوجود دین و تقویٰ اور صالحیت و معقولیت کے وہ سخت علمی غلطیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان کا قلم کہیں فرعون اور لشکر فرعون کی غرقابی کو بجائے بحر قلزم کے دریائے نیل میں دکھائے گا۔ کہیں حضرت مسیحؑ کا تلوار سے قریب القتل ہونا بیان کرے گا

اور کہیں فرعون کو کسی تاجدار کا شخصی نام سمجھ کر دعوئ الوہیت اس کی شخصیت کی جانب منسوب کرے گا۔

دنیوی علوم وفنون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی دریافتیں اور تحقیقات پائدار نہیں ہوتیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ نظریات وظنیات بلکہ مقبول و معروف مسلمات وقطعیات تک تھوڑی مدت کے بعد کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل جس طرح انھوں نے کی ہے وہ اپنی جگہ پڑھنے کے لائق ہے۔ ہم یہاں ان کی اس اہم بحث کا ایک جامع خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

"قرآن مجید نے ساری فرعی، ضمنی اور ثانوی بحثوں سے متعلق کوئی ایسی صراحت نہیں کہ جو عرب کے مذاق کے خلاف ہو۔ اس نے اہل عرب کے علمی، عقلی اور فکری مزعومات کو ان کے حال ہی پر چھوڑے رکھا۔ لیکن ایسے اشارے ضرور رکھ دئے اور کلام میں اتنی لچک پیدا کر دی کہ آئندہ نسلیں اپنے اپنے دور کے ماحول فکری کے مطابق اس کتاب الٰہی کی تعبیر وتشریح میں آزاد رہیں"

تفسیر کے مراجع ومصادر

مولانا نے جس محنت اور تحقیق سے مستند مراجع و مصادر سے استفادہ کیا ہے اس سے جہاں ان کی دیدہ ریزی اور سعی وکاوش کا اندازہ ہوتا ہے وہیں ان کی یہ احتیاط بھی سامنے آتی ہے کہ وہ کلام اللہ کی ترجمانی میں جمہور اہل سنت کی روش سے کہیں بھی گریزاں نہیں ہیں۔ فن لغت، لغات القرآن، اعراب القرآن، اور علوم القرآن کی امہات کتب مثلاً الجمہرۃ فی اللغۃ، کتاب الاضداد، کتاب الاجناس، لسان العرب، المفردات فی غریب القرآن، مشکلات القرآن، مفردات القرآن، النہایۃ فی غریب الحدیث والتنزیل، اعراب القرآن، مجاز القرآن، الاتقان فی علوم القرآن، البرہان فی علوم القرآن وغیرہ مآخذ سے براہ راست استفادہ کرتے ہیں۔ عربی تفسیروں کا تقریباً سارا سرمایہ ان کے سامنے رہا۔ فقہی تفسیروں میں ابوبکر جصاص رازی حنفی اور قاضی ابوبکر محمد بن العربی مالکی کی احکام القرآن اور ملاجیون امیٹھوی کی تفسیر احمدی ان کے خاص مراجع ہیں۔ ان کے علاوہ وہ اردو کی اہم تفسیروں سے استفادہ کرتے رہے جن میں مولانا تھانویؒ کی بیان القرآن سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔

خصوصیات

ہم یہاں تفسیر ماجدی کا موازنہ دوسری تفسیروں سے نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن اپنے مباحث کی جامعیت، ہمہ گیری، مسائل و مرویات میں جمہور مفسرین سے مطابقت اور جدید علوم ومعارف سے مولانا کے براہِ راست تعلق اور عصری رجحانات پر گہری نگاہ ہونے کی وجہ سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس تفسیر کو امتیازی اور انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ اردو کے کامل الفن ادیب وزبان داں ہونے کی وجہ سے مولانا کی تحریر کی دلکشی ادبیت بھی اس تفسیر کا ایک نمایاں عنصر ہے۔ فلسفیانہ اطناب سے اجتناب اور حواشی کے اختصار وایجاز کی وجہ سے بھی تفسیر ماجدی کی شان الگ ہے۔ کتاب اللہ کے مراد ومنشا کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے افراط وتفریط کے شکار مسلکوں اور فرقوں اور غلط وباطل افکار ورجحانات کا رد وانکار بھی اس تفسیر کا نمایاں وصف ہے۔ مختلف عصری فلسفوں پر مفسر کی عالمانہ نگاہ کی وجہ سے جس خوبی سے ان کا رد وابطال اس تفسیر میں ہے دوسری عصری تفسیروں میں اس درجہ توازن واعتدال اور متانت واصابت رائے کے ساتھ کم ملتا ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل کے لئے تو براہِ راست خود تفسیر کا مطالعہ ضروری ہے۔ تاہم یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے کسی حد تک ان کے اندازِ تفسیر اور منہاجِ بحث وتحقیق کا اندازہ ہو جائے گا۔

۱۔ مسیحیوں اور مغرب زدہ مسلمانوں کے حوالہ سے عام طور پر سورتوں کی تقسیم کے باب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جو سورتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ قیام مکہ میں نازل ہوئیں ان کو مکی کہا جاتا ہے۔ اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔ مولانا اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدنی سورۃ کے اندر مکی آیتیں رکھ دی ہیں یا اس کے برعکس، ربطِ مضمون ومناسبتِ مقام کا صحیح تر، لطیف تر احساس رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا۔ اس لئے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئیں درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں۔ محض مفید ظن ہیں، مفید یقین نہیں۔ محض روایات ونظریات کے ماتحت کسی آیت پر جزم ووثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن

کی کسی جدید ترتیب پر اسے ترتیب نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی جسارت کا کام ہے۔۔
۔۔۔۔۔اصل میں یہ بلا مسیحیوں کے یہاں سے آئی ہے کہ انھیں نے اپنے یہاں کے قدیم وجدید دونوں صحیفوں کو جو نہ سند متصل کے ساتھ پہنچے ہیں نہ جن کے راویوں کا کسی کو علم ہے اور جو نہ اپنی اصلی زبانوں میں موجود ہیں۔ بلکہ محض ترجمے میں اس قسم کی سرتاسر ظنی بلکہ وہمی تحقیقات کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے اور مغرب زدہ مسلمانوں نے نادانی سے یہ خیال کر لیا کہ جیسے یہ بھی کوئی بڑی دلیل علم وفضل وتحقیق کی ہو۔[۸]

اس اقتباس سے پوری تفسیر کی ایک جھلک سامنے آجاتی ہے جس میں انھوں نے مسیحیوں کے طرز تحقیق کی ناپختگی ظاہر کرتے ہوئے مغرب زدہ مسلمانوں کی بے جا مرعوبیت کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔

اسی طرح غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں جہاں عربی قواعد، متقدمین مفسرین کے اقوال اور توریت وانجیل کے حوالے دئے ہیں وہیں یہ بھی لکھتے ہیں:

"حیرت ہے کہ بعض جدید اہل قلم نے مسیحی پادریوں کے طعن وطنز سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر اسلام میں غضب الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے۔ گویا حق سبحانہ وتعالیٰ ان کم فہموں کے خیال میں ایک بڑے پیمانہ پر کوئی سادھو، سنیاسی، رہا تما ہیں۔ جو بدبخت چاہے ان کے بنائے اور اتارے ہوئے قوانین کو جو سراسر بندوں ہی کے نفع ومصلحت، فلاح وبہبود کے لئے ہیں۔ آزادی وبے تکلفی سے توڑتا پھوڑتا، چیرتا پھاڑتا رہے اور وہ اہنسا پر عمل کر کے شانتی کے ساتھ، جمود وتعطل کے ساتھ سارا تماشا دیکھتا رہے۔۔۔۔۔۔ پادریوں کے اعتراض کی اصل وبنیاد ہی غلط ہے۔ انھوں نے غضب الٰہی کو بھی قیاس کیا انسانی غصہ اور طیش پر، جو نتیجہ ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا، حق تعالیٰ پاک ہے اور ہر قسم کے انفعال اور تاثر سے، وہ صرف فاعل اور تمام تر موثر ہے۔ اس کا غیظ وغضب درحقیقت تتمہ اور ضمیمہ ہے اس کی رحمت بے حساب کا اور لازمی نتیجہ ہے اس کی شفقت بے کراں کا۔"[۹]

ازواج مطہرۃ

کی تفسیر میں ان کا یہ اقتباس بھی ان کے اسی مسلک کی ترجمانی کرتا ہے لکھتے ہیں "بعض روشن

خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انھوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا اور ازواج مطہرۃ کی تفسیر عجیب توڑ مروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت و راحت کے موقع پر بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا بڑے ہی شرم کی بات ہے۔ جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں اور راحتوں کا گھر ہوگا ——— یا پھر یہ کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت اور مسیحؑ کی لائی ہوئی نہیں پولوس کی پھیلائی ہوئی مسیحیت سے وابستہ ہے۔ جسمانی، مادی، حسی خصوصًا ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا یا ان سے شرمانا تمام تر جاہلی مذہبوں خصوصًا پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔"[۵۹]

اسلام کے میدان میں جدید اہل قلم کی بے اعتدالیاں اور ناہمواریاں مولانا کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں تھیں "روشن خیالی" کے نام سے اسلامیات کے میدان میں ان حضرات سے دانستہ یا نادانستہ جو بے احتیاطیاں سرزد ہوئیں۔ مولانا ان سے خوب واقف تھے۔ تفسیر میں بیسیوں مقامات ایسے ہیں جہاں مولانا نے ان کے روشن خیالوں کے عقیدہ و فکر کا سخت محاسبہ کیا، مثلاً:

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ "یہی سنت آج تک چلی آرہی ہے "ترقی پسندوں" "روشن خیالوں" اور "اہل تجدد" کے دربار سے آج بھی "جمود پسند" "رجعت پسند" "تاریک خیال" وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص و مخلص اہل ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔"[۶۰]

منافقین مدینہ

کے ذکر میں یہ نوٹ دیتے ہیں "دوسرا طبقہ ان منافقین کا تھا جو یکسر منکر نہ تھے بلکہ آج کے بعض انتہائی روشن خیالوں کی طرح متشککین و مذبذبین میں تھے، اسلام کی ظاہری قوت و شوکت اور مادی اقتدار و فتحمندی کو دیکھ کر چند قدم اس کی طرف بڑھتے اور جب مسلسل کامیابی نہ پاتے تو پھر پیچھے ہٹ جاتے۔"[۶۱]

اللّٰہُ یَسْتَھْزِیُٔ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ہ کی تفسیر میں عمہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ ادھر ادھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے[۱۲] اس تشریح کے بعد مولانا حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد بڑے سے بڑے روشن خیال انسان کی بھی واقعی یہی حالت ہوتی ہے اپنی محدود و ناقص عقل کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ طرح طرح کے "نظریے" "اصول" و "کلیات" بناتا ہے۔ ہر طرف ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے ملا ہوا راستہ جس سے قلب کو سکون کامل ہو جائے کوئی نہیں سجھائی دیتا، شک، ارتیاب، بےاطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا جاتا ہے[۱۳]

حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے تذکرہ میں وہ تاریخی اور جغرافیائی تحقیق کے بعد "روشن خیال محققوں" کا ذکر اس طرح کرتے ہیں " موجودہ محرف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتفا کر بعض "روشن خیال محققوں" نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی شخصیت گذری ہی نہیں یہ تو ایک محض نوعی نام تھا یا سرشیخ قبیلہ کا لقب، لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربع اول کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپؑ کی تاریخی شخصیت کا قائل ہونا پڑا۔[۱۵]

داود

کے قصہ میں قدیم تفسیروں، توریت اور جیوش انسائیکلوپیڈیا اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے حوالوں کے بعد وہ یہ نوٹ دیتے ہیں یہ انیسویں صدی کے ثلث آخر میں کی مادیت و عقل پرستی اور اس کی تقلید میں ہندوستانی "روشن خیالی" اور نیچریت کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصوں سے سرے سے انکار کر دیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مؤرخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک و بےاعتقادی بھی ضعیف تر ہوتی چلی گئی"[۱۶]

اَلْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا کے تحت انھوں نے پھر مغربی عقل و دانش سے متاثر لوگوں کے متعلق لکھا ہے کہ آج کل کے "روشن خیالوں" کی طرح عہد جاہلیت قدیم کے بھی سفیہوں کا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی تو ہوتا ہے، پھر جب تجارت حرام نہیں تو سود کیوں

حرام ہے ۱۷

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی تشریح میں وہ اپنے خاص انداز میں لکھتے ہیں کہ "کیا تماشا ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیں تو ملک کے محسن ہندوؤں میں بچپن کی شادی کے دستور کو روک دیں تو اس کا شکریہ واجب، لیکن جب اللہ کے سپاہی یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانون الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عام کو غارت کرنے والوں کی دارو گیر کریں تو روشن خیالی کے جبین تحمل پر شکن آجائے اور تہذیب کے پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگیں"۱۸

نَصِيبًا مَّفْرُوضًا کے حاشیہ میں یہ لکھتے ہیں کہ یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں حصوں کی ہر قسم اور ترکہ کا ہر استحقاق شریعت الٰہی کا مقرر کیا ہوا قانون ہے، یہ نہیں کہ جو "روشن خیال" جب چاہیں اٹھیں اور جدید حالات کا غور کر کے اس قانون میں قطع و برید کر کے رکھدیں۔۱۹

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کی تفسیر میں تاریخی، روایتی اور تحقیقی بحث کے بعد وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہود وفات عیسیٰ کو موقع تحقیر و اہانت میں بیان کرتے ہیں اور مسیحی بعینہٖ اسی واقعہ سے آپ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں۔ لیکن نفس عقیدہ بہر حال دونوں میں مشترک ہے اور تاسف اور قلق کا مقام ہے آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض کلمہ گو فرقے بھی اسی "روشن خیالی" کا تمغہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں"۲۰

يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ کے تشریحی نوٹ میں وہ اسلامی سزاؤں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ "روشن خیالی اور تجدد نوازی جو دوسرا نام ہے جاہلیت فرنگ سے مرعوبیت کا" ممکن ہے اسلامی سزاؤں کی ان سختیوں پر چیں بہ جبیں ہو۔ لیکن ساری قیاسی اور عقلی بحثوں سے قطع نظر صرف عملی اور تجربی حیثیت سے یہ دیکھ لیا جائے کہ جن ملکوں نے اپنے یہاں قانون کو نرم کر کے سزائیں ہلکی سے ہلکی کر دی ہیں۔ ان کے یہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے"۲۱

تفسیر ماجدی کے مطالعہ میں یہ احساس بار بار ہوتا ہے کہ مولانا اپنے زمانہ کے مذہبی سیاسی معاشی اور فکری و تہذیبی تبدیلیوں اور ان کے اسباب اور ان کے عواقب سے مکمل طور پر باخبر ہیں۔ قوموں کی نفسیات پر ان کی نگاہ بڑی گہری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے اولین مخاطب

اور موجودہ مخاطبوں میں وقت کے فاصلوں کے باوجود جو نفسیاتی یا نفسانی قدر مشترک موجود ہے مولانا کی نگاہ ٹھیک اسی نقطہ پر ٹھہرتی ہے، اور اس طرح قرآن مجید کی ترجمانی میں وہ افراط یا تفریط اور غلو و بے اعتدالی سے دور ہیں، مولانا کے عہد میں اسلام اور قرآن پر سب سے زیادہ سخت حملے یورپ کے علم جدید کی جانب سے ہوئے۔ دانش فرنگ کے اثرات غیر یورپی اقوام میں روشن خیالی اور تجدد نوازی کی صورت میں عام ہوئے۔ مولانا نے ان پر حد لگائے ہوئے راہ راست مغربی ذہنیت اور مستشرقین کی دسیسہ کاریوں پر ضرب لگائی۔

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

"یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ یہود جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے یہاں کی پیشین گوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کرکے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دیتے ہو گویا یہ سمجھ رہے تھے کہ رسول اسلام اور پیروان اسلام کو جو کچھ بھی علم ہو گا محض ان کے بتانے ہی سے ہو گا۔ یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ جب قرآن مجید پر تبصرہ کرنے بیٹھے ہیں تو اس مفروضہ کو بنیاد کار بنا لیتے ہیں کہ اس میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ یہود کی توریت مروجہ، مسیحوں کی انجیل مروجہ اور اسی طرح کے دوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے۔"[۲۲]

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ کی آیت میں مرد و عورت کی اخلاقی تکمیل کا جو مؤثر ترین نسخہ اسلام نے پیش کیا اس کے متعلق چند سطروں میں لکھتے کہ "یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی محققین کی نظر میں پست اس لئے ہے کہ اس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے۔

ع کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا!

کونسا جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، اور کون سا اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہو گا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال

ہے کہ ان کے سارے دفتر کتب و اسفار میں کون سی تعلیم زن و شو کے باہمی تعلق محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟"[۲۳]

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ کے تفسیر میں حاشیہ میں یہود کی منافقت کے متعلق لکھتے ہیں کہ آج یہ بڑے بڑے فرنگی محقق یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرت نبوی لکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم و تحقیق، وسعت مشرب اور بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیغمبر عرب اور مصلح عالم کی نعت اور مقنن اعظم اور مثیل موسیٰ کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے۔ لیکن آگے چل کر یہ نکالتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) انھیں کچھ خلل دماغ تھا یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سن سنا کر انھیں چرا لیتے تھے۔ وقس علیٰ ھذا تو یہ بھی ٹھیک قدیم یہودیانہ دجل و تلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس"[۲۴]

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں کہ "ایک امی کی زبان سے بلند پایہ علوم و معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایہ بیان میں سن کر ظالموں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامین عالی انھوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لئے ہیں۔ اور جاہلیت کے انھیں لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کر کے قرآن کی اس پیش خبری کی توثیق کر رہے ہیں"[۲۵]

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ کے تشریحی نوٹ میں وہ پھر لکھتے ہیں کہ "مشرکین عرب اپنے سے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیغمبر کے پیام کی اعجازی کیفیت و تاثر کو بس سحر ہی پر محمول کر سکتے اور یہی کرتے ——— اور جاہلیت جدید کے علمبردار بڑے بڑے دانایان فرنگ بھی اس کے سوا کیا کر رہے ہیں۔ حیرت انگیز محیر العقول مادی کامیابیوں اور فتحمندیوں سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے، بس یہ تعبیر کرنے لگے کہ نعوذ باللہ ساری اسکیمیں اور کارگزاریاں کسی بڑے "زیرک دماغ" کا نتیجہ تھیں"[۲۶]

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں کہ "شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ تو تھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے اور افسوس ہے کہ ذکر و فکر آخرت کی طرف سے

سے بھی بے اعتنائی اور دنیوی ساز و سامان اور مادی علوم و فنون و صنائع کی طرف یہی انہماک اور شدت التفات تہذیب فرنگی و ثقافت جاہلی کا جزو اعظم ہیں۔ مہذب اور اعلیٰ سوسائٹی میں دوزخ و جنت برزخ اور سکرات موت کا کسی زبان پر نام تک نہ آئے، اور علوم جدیدہ کے بڑے بڑے ماہروں اور فاضلوں کو خوب غور سے دیکھ لیجئے کیا ان میں ایک ذرہ برابر بھی طالب معرفت حق کی اور ظواہر مادی سے گزر کر حقائق معنوی تک پہنچنے کی پائی جاتی ہے[۲۷] اسی طرح ائت بقرآن غیر ھذا کے حاشیہ میں وہ پھر جاہلیت فرنگ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ "دوسرے قرآن کی فرمائش کے مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ تھے۔ آپ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے روشن خیال، جاہلیت فرنگ کے روشن خیالوں کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے۔[۲۸]

ومنھم من یستمعون الیک کی تفسیر میں مولانا نے پھر مستشرقین کی ذہنیت پر ضرب لگائی۔ لکھا ہے کہ "کفار بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے۔ آج یہ تصور بہت سے مستشرقین یورپ پر، سیرت نبوی، شریعت اسلامی اور کلام الٰہی پر قلم اٹھانے والوں پر صادق آتی ہے۔ ان کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیئے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند تحقیق دوست ہیں اور جوں جوں آگے بڑھتے جایئے زہر ہلاہل کے انبار در انبار انہی اوراق میں ملتے جائیں گے، مفروضات و احتمالات کے ڈھیر لگتے جائیں گے اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا اور محمد عربیؐ کا رسول برحق ہونا بطور احتمال بھی اپنے سامنے نہ لائیں گے۔[۲۹]

روشن خیالوں، مستشرقوں اور جاہلیت جدید پر اس قسم کے بلیغ تبصرے تفسیر ماجدی کی بڑی خصوصیت میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا قدیم و جدید فلسفوں، مثلاً نظریۂ ارتقار فلسفہ مادیت، عقلیت، لاادریت، لامذہبیت اور فلسفہ اشتمالیت کی تردید بھی برابر کرتے جاتے ہیں۔ بعض موقعوں پر آریہ سماجی لٹریچر، سوراج اور قومیت کا بھی خاص پیرایہ میں رد کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں معتزلہ اہل بدعت و خوارج کی غلطیوں کی بھی جگہ جگہ نشاندہی کی ہے۔ مزار پرستی، پیر پرستی، غیر اسلامی رسوم و رواج اور متصوفین پر بھی ان کے قلم سے سخت تنقیدیں

نکلی ہیں، مثلاً:

لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں "اس آیت میں رسول اللہ کے علم غیب کلی کی صریح نفی موجود ہے۔ جس کا دعوٰی ہمارے زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔ یہ اور اس قسم کی متعدد آیات قرآنی اس شخص کے خیال کی تردید میں ہیں جو صفائے قلب واشراقیت وغیرہ کی بنا پر کشف صدور واطلاع غیوب کا دعوٰی کرنے لگتا ہے۔

علامہ ابن حیان غرناطی لکھتے ہیں کہ بہت سے مدعیان تصوف کی زبان ایسے دعوؤں پر کھل گئی ہے کہ یہ لوگ نہ کتاب اللہ پر توجہ کرتے ہیں اور نہ سنت رسولؐ کی طرف، اور غیب دانی کے خرافات پر اتنے دلیر ہیں"۔ اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی کا رہنے والا غریب اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لائے"[۳۰]

مسلمانوں میں بعض فرقوں نے دین وحکومت کی جس تعبیر پر زور دیا، مولانا اس سے متفق نہیں تھے۔ چنانچہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہ کے حاشیہ میں اشارتاً انھوں نے اس تعبیر کی تردید کی ہے، لکھتے ہیں "آیت کے اس جزو کو فرقہ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے۔ یہاں تک کہ خلیفہ راشد وبرحق حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کر کے پھیلائی تھی اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت غیر اسلامی حکومت قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون بھی ناجائز بلکہ حرام ٹھہراتا ہے سیاق قرآن پر ادنیٰ غور وتامل سے بھی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں، سیاق تمام تر حکومت تکوینی وارسال آیات ومعجزات کا ہے"[۳۱]

ہماری اب تک کی اس گفتگو سے یہ تاثر پیدا ہو چلا ہے کہ تفسیر ماجدی کلام الٰہی کی جدید کلامی تفسیر ہے، جس میں قرآن اور اسلام کی جانب سے دماغ پر زیادہ زور دیا گیا ہے لیکن تفسیر ماجدی کی جامعیت اور ہمہ گیری کے لئے صرف اتنا ہی کہنا کافی نہیں۔ مفسرین کے اقوال وآرا کی تلاش وانتخاب میں پوری پوری علمی جماعتوں کی محنت وذوق کا امتحان ہوتا ہے۔ تفسیر ماجدی میں ان کا پورا سرمایہ موجود ہے۔ مختلف فیہ مسائل میں فقہا کے اقوال کو[۳۲] حسن جزم واحتیاط کے ساتھ جمع کر کے قول فیصل کی حقانیت کو واضح کیا ہے، عارفانہ اور صوفیانہ اقوال ونکات کو

جس خوبی اور موقع کی مناسبت سے حواشی میں نقل کیا ہے اس سے ان کی بصیرت و معرفت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ تنوع کا یہ عالم ہے کہ مثنوی مولانا روم، خسرو، اقبال اور اکبر الہ آبادی کے اشعار بھی جا بجا اس گلستان کی بہاریں اضافہ کرتے ہیں اور ان سب پر مستزاد مولانا کا خاص ادبی اسلوب ہے۔ وہ زبان کی نزاکتوں اور باریکیوں پر عبور کی وجہ سے ان کے ترجمہ و تفسیر کی ادبی دل کشی دامن نگاہ کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا کا ترجمہ کیا ہے "اس نے یقیناً ایک بڑا گناہ سمیٹا" حاشیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ "گناہ سمیٹا" کا محاورہ خاص اس مفہوم کے ادا کرنے کے لئے ہے۔[۳۳]

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے (لپاڑیے) ہیں" حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "لکاذبون میں ل تاکید کا ہے ترجمہ میں اسی اشدیت کے اظہار کے لئے لپاڑیے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔"[۳۴]

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ کی تشریح میں وہ یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ "اردو میں لہو و لعب ساتھ آتے ہیں لیکن عربی میں دونوں کے مفہوم میں فرق ہے۔ لعب میں پہلو کسی عمل کی لاحاصلی، بے مقصدی کا زائد ہے جیسے بچوں کے اکثر عمل ہوتے ہیں۔ یہ شعوری طور پر حصول منفعت یا رفع مضرت سے خالی رہتے ہیں اور لہو وہ عمل ہے جو انسان کے سنجیدہ مقصدوں کے منافی ہو اور مقصود اس سے محض عیش و طرب ہو۔"[۳۵]

زبان کے لطف کے لئے انھوں نے ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ کی بعض عبارتیں بھی نقل کر دی ہیں۔ مثلاً "فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ" کا ترجمہ "ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں" کرنے کے بعد وہ حاشیہ میں لکھتے ہیں: نذیر احمد کی زبان میں "ٹامک ٹوئیے مارتے ہوئے"۔[۳۶]

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ کا ترجمہ کرتے ہیں "اے ہمارے پروردگار ان کے مال پر جھاڑو پھیر دے۔" تشریح میں لکھتے ہیں کہ ان کے مال پر جھاڑو پھیر دے، ٹھیٹھ اردو میں نذیر احمدی ترجمہ ہے۔[۳۷]

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ کے حاشیہ میں وہ شہر اریحا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے لفظی معنی سٹی آف دی مون کے بیان کئے گئے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ "چندر نگر" ہوگا۔[۳۸]

تفسیر ماجدی کی خصوصیات میں سب سے نمایاں مقام یہودی و مسیحی مآخذ کا گہرا تنقیدی مطالعہ ہے۔ عہد نامہ عتیق و جدید کے علاوہ یورپ کے ممتاز اہل قلم کا مولانا نے استیعاب سے مطالعہ کیا ہے اور خود ان کے اقوال کے ذریعہ قرآن مجید کی حقانیت کو ظاہر کیا ہے۔

بنی اسرائیل اور امت موسوی، یہود یا بنی اسرائیل، کفر سلیمانؑ، حضرت ابراہیمؑ، ابن مریمؑ، نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ، انجیل، مسیحی و نصرانی کا فرق، آزر، کشتی نوحؑ، قوم شعیب، غرقابی فرعون وغیرہ ایسی بحثیں ہیں جو تاریخی اور جغرافیائی تحقیق کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کے تحقیقی ذوق کی ایک جھلک افتتاحیہ میں ان کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ افتتاحیہ جلد دوم میں وہ لکھتے ہیں کہ "قرآن مجید میں حشو مطلق نہیں، جو عبارتیں سرسری اور پہلی نگاہ میں غیر ضروری بلکہ بے تعلق سی نظر آتی ہیں ان کی بھی جب اہمیت کھل کر رہتی ہے تو ان کی معنویت کا بالآخر اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً سورۃ القصص میں فرعون، ہامان کو حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ کے لئے حکم دیتا ہے

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ	اے ہامان تو میرے لئے مٹی کی اینٹوں کو آگ دے
لِّیْ صَرْحًا (القصص: ۳۸)	تاکہ پکا محل کھڑا کروں۔

اب اس آیت میں من طین (مٹی کی اینٹوں) حشو ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اس حقیقت کو مستحضر کر لیجئے کہ دنیا کی بڑی اور مہذب سلطنتوں میں شاہی محل پتھر ہی کے بنے ہوئے ہیں اور قدرۃً قصر فرعون بھی سنگی سمجھا جاتا۔ سنگ مرمر کا، سنگ رخام کا، یا کسی اور ایسے ہی قیمتی پتھر کا۔ لیکن مصر کی شاہی عمارتوں کی تعمیر پتھر سے نہیں مٹی سے ہوئی ہے اور فن تعمیرات کی تاریخیں جو لکھی گئی ہیں ان میں یہ صراحت سے درج ہے کہ مصر کا تعمیری تمدن سنگی نہیں رگلی رہا ہے، قرآن مجید نے اس فنی باریکی کو پیش نظر رکھ کر اور رفع اشتباہ کے خیال سے من طین کی صراحت کر دی اور اس پر حشو کا اطلاق ذرا بھی نہ ہونے دیا۔" ایک اور مثال وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ہے۔ مولانا نے اس آیت کے ضمن میں کئی نکتے پیش کیے ہیں:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ۝	اور سلیمان نے تو کبھی کفر نہیں کیا۔

(جیسا کہ ناسپاسوں، کافروں اور افترا پردازوں نے مشہور کر رکھا ہے)

آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کہنے والی

کون سی بات تھی جو قرآن نے فرما دی۔ جب حضرت سلیمانؑ پیغمبر برحق تھے تو یہ کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبۂ کفر و شبہ کفر سے بمراحل دور تھے۔ پیغمبر کے حق میں یہ نازل ہونا کہ کفر سے بری تھے یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی ہے کسی ملک کا بادشاہ یہ فرمان جاری کر کے رعایا کو بتلائے کہ ہمارا نائب السلطنت باغی و غدار نہیں۔ کھٹک بجا ہے۔ قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔ یہاں اس اعلان و اعلام کی ضرورت تھی، اس ضرورت کا علم سادہ دل مسلمانوں کو کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا علم تو اس کے ہمہ بیں و ہمہ داں پروردگار ہی کو ہو سکتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کو پیغمبر ماننے والی دو قومیں مسلمانوں سے پہلے بھی ہو چکی ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ، ان دونوں کے اکابر نے ستم ظریفی کا کمال یہ دکھایا ہے کہ ایک طرف تو ان کی عظمت و پیغمبری کے قائل ہیں اور دوسری طرف ان کے نامۂ اعمال میں گندے سے گندے جرائم بھی ڈال دیے ہیں۔ یہاں تک کفر و شرک بھی، کہ اللہ کی عدالت میں کوئی جرم اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھی سنگین تصور میں نہیں آسکتا۔ یہودی قصص و حکایات اور مسیحی آثار و روایات کی کتابوں کو چھوڑیے۔ خاص الخاص بائبل یعنی عہدِ عتیق کے صحائف جن پر یہود و نصاریٰ دونوں کا ایمان ہے انھیں ملاحظہ فرمایئے، کہ اس مجموعہ میں آج تک کیا تصریحات لکھی چلی آرہی ہیں۔

۱۔ جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا

اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف مائل نہ تھا۔ (سلاطین۔ ۱۱: ۴، ۶، ۱۰)

یعنی محض غفلت یا عدم اعتنا کی بنا پر عملی کوتاہی یا عصیان نہیں، صریح بدعقیدگی، توحید کی طرف سے بے یقینی، آگے اور ملاحظہ ہو:

سو از بس کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا اس لئے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا کہ اس کے حکم دیا تھا کہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پر اس نے خداوند کے حکم کو یاد نہ کیا۔" (سلاطین۔ ۱۱: ۹، ۱۰)

معاذ اللہ! خدا کا پیغمبر اور کفر و شرک میں مبتلا، دنیا سیکڑوں سال تک ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک انھیں یہودیانہ تحریفات و اختراعات کا شکار ہو کر اس مواعد اعظم کو نعوذ باللہ کافر و مشرک سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ قرآن آیا جو ہر قوم، ہر زمانہ کے سچے پیغمبروں کی عزت و ناموس کا

محافظ ہے۔ اب قدرتِ حق کا اعجاز دیکھئے کہ اب جو محققانہ فاضلانہ کتب بائبل کے پرستاروں کی قلم سے نکل رہی ہیں اور شائع ہو رہی ہیں۔ وہ تائید و تصدیق بائبل کی التزام دہی کی نہیں بلکہ قرآن کے جواب صفائی کی کر رہی ہیں۔ انسائیکلو برٹانیکا کے سب سے آخری اڈیشن میں جو مقام نکلا ہے اس میں صاف یہ مضمون ملے گا: "سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے" (جلد دوم طبع چہارم) انسائیکلو پیڈیا ببلیکا نے تو اب صاف لکھ دیا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کو بڑھائی گئی ہیں۔ اور الحاقی ہیں۔ اور پھر لکھا ہے:

"یہ تو غالباً صحیح ہے کہ سلیمان کی بیویاں متعدد تھیں۔ اسرائیلی بھی اور غیر اسرائیلی بھی۔ لیکن نہ تو انھوں نے سب کے لئے قربان گاہیں تیار کرائیں اور نہ خود خدائے واحد کی پرستش کے ساتھ اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی پرستش کا تجربہ ہونے دیا"[۵۲]

اسی طرح آیت لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ الخ کی لغوی اور تفسیری تحقیق کے بعد لکھتے ہیں: "ظہورِ اسلام سے قبل دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک گمراہی سمت پرستی کی تھی۔ یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری اور مختلف جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت مثلاً مشرق مقدس ہے اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابلِ پرستش ہے، قرآن مجید یہاں شرک کی اسی صورت خاص کی تردید کر رہا ہے اور ارشاد کر رہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہے اور کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز قابلِ تقدس نہیں، طاعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا وہ محض اس لئے کہ ان کی نگاہ مذاہب غیر کی اس گمراہی پر نہ تھی، اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لئے کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے۔ اس نے نہ صرف ایک متعین مکان یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے اور اسے قبلہ توجہ ٹھہرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے۔ بہت سے مقامات سے ان مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں یہ حیثیت سامنے رہے تو اشکال از خود رفع ہو جاتا ہے اور مختلف تاویلوں کی ضرورت نہیں رہتی[۵۳] اس کے بعد مشرق و مغرب کے حاشیے مولانا کی تحقیق کے نادر خوبصورت نمونے ہیں، مشرق و مغرب کی تشریح میں اور باتوں

کے ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

"پولوسوی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مشرکانہ مراسم رومیوں سے اخذ کئے، وہیں اس مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رخ کرکے کرنے لگے۔ چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رُو بنے چلے آتے ہیں۔"

"آفتاب کے طلوع و غروب پر قیاس کرکے مشرک ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ جس طرح مصدرِ حیات سمت مشرق ہے اسی طرح مستقر موت و اُجل سمت مغرب ہے اور اسی لئے یہ بھی مستحق تعظیم و تقدیس ہے[۵۴]

متشابہات

کی لغوی تشریح اور تفسیر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "اس پر کہنا چاہیئے کہ سب کا اجماع ہے کہ قرآن مجید میں متشابہات صرف وہی آیات ہیں جن میں اخبار غیب بمعنی صفات آخرت وغیرہ کا بیان ہے[۵۵]

اس کے بعد وہ اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "جن کے دلوں میں حق طلبی، حق جوئی و تلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اسی ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ نصوص کلام الٰہی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی باک نہیں رکھتے، جیسا کہ آج کل بھی ہر فرقہ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے[۵۶]

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس سے واضح ہے کہ فن تفسیر کے معیار پر تفسیر ماجدی فنی اعتبار سے کامل و بلند پایہ ہے۔ یہاں اس تفسیر کی ایک اور خصوصیت بلکہ اس تفسیر کی اصل روح کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ اور وہ ہے کلام الٰہی کے مراد و منشا کی حقیقی اور پرزور ترجمانی، کیونکہ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے اور معترف بھی تھے کہ قرآن، اصطلاحی مفہوم میں کوئی علمی یا ادبی یا تحقیقی مقالہ نہیں، اصلاً وہ محض کتاب ہدایت ہے یا انسانی زندگی کا انفرادی یا اجتماعی دستور العمل، اس کی دنیا سرتاسر حکمت و اخلاق، روحانیت، عبدیت و انابت کی دنیا ہے اس کی فضا سکینت قلب کی فضا اور اس کا ماحول تقویٰ و طہارت کا ماحول ہے۔ اس کے

مغز تک پہنچنے کے لئے تقویٰ وطہارت کسی درجہ میں بہرحال ناگزیر ہے، طہارت جسم کی طرح طہارت قلب کا ذرا سا بھی اہتمام کئے بغیر محض زبان ولغت کے بل پر قرآن فہمی کی سعی یکسر لاحاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر ماجدی کے ہر ہر صفحہ پر منشائے الٰہی کی تعبیر مولانا کے ایمان، عقیدہ، جذبہ اور خلوص کے سبب نہایت طاقتور اسلوب میں ادا ہوتی جاتی ہے۔

حواشی

۱؎ عبدالماجد دریابادی، آپ بیتی، مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ، ۱۹۷۴ء، ص ۲۹۲

۲؎ نفس مصدر، ص ۲۹۶۔ ۳؎ نفس مصدر، ص ۲۹۷۔

۴؎ تفسیر ماجدی، صدق جدید بک ایجنسی، لکھنؤ، طبع ثانی، ۱۹۶۸ء، جلد اول، افتتاحیہ، ص ۱۔

۵؎ نفس مصدر، جلد اول، افتتاحیہ، ص ۴۔ ۶؎ نفس مصدر، افتتاحیہ، ص ۴، ۵۔

۷؎ نفس مصدر، افتتاحیہ، ص ۵۔ ۸؎ تفسیر ماجدی، جلد اول، ص ۲۔

۹؎ نفس مصدر، ص ۱۳۔ ۱۰؎ نفس مصدر، ص ۵۴، ۵۵۔

۱۱؎ نفس مصدر، ص ۳۶۔ ۱۲؎ نفس مصدر، ص ۴۱۔

۱۳؎ نفس مصدر، ص ۳۸۔ ۱۴؎ نفس مصدر، ص ۳۹۔

۱۵؎ نفس مصدر، ص ۲۱۵۔ ۱۶؎ نفس مصدر، ص ۳۴۴۔

۱۷؎ نفس مصدر، ص ۵۱۲۔ ۱۸؎ نفس مصدر، ص ۶۲۸۔

۱۹؎ تفسیر ماجدی، صدق جدید، لکھنؤ، جلد دوم، ص ۱۵۔

۲۰؎ نفس مصدر، ص ۱۵۸۔ ۲۱؎ نفس مصدر، ص ۲۴۰۔

۲۲؎ تفسیر ماجدی، جلد اول، ص ۱۴۲۔ ۲۳؎ نفس مصدر، ص ۳۳۵۔

۲۴؎ نفس مصدر، ص ۶۰۵۔ ۲۵؎ تفسیر ماجدی، جلد دوم، ۴۳۳۔

۲۶؎ تفسیر ماجدی، جلد سوم، ص ۸۲ ۲۷؎ نفس مصدر، ص ۴۸۔

۲۸؎ نفس مصدر، ص ۵۱۔ ۲۹؎ نفس مصدر، ص ۷۲۔

۳۰؎ نفس مصدر، ص ۱۰۔ ۳۱؎ تفسیر ماجدی، جلد دوم، ص ۳۸۹۔

۳۲؎ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے: تفسیر ماجدی، جلد اول، ص ۳۱۷، ۳۷۹، ۴۴۴، جلد دوم، ۲، ۳۰۲، ۲۷۰۔

۳۳ تفسیر ماجدی، جلد دوم، ص ۴۶۔
۳۴ نفس مصدر، ص ۳۴۶۔
۳۵ نفس مصدر، ص ۳۰۷۔
۳۶ تفسیر ماجدی، جلد سوم، ص ۵۰
۳۷ نفس مصدر، ص ۹۸۔
۳۸ تفسیر ماجدی، جلد دوم، ص ۶۰۷۔
۳۹ تفسیر ماجدی، جلد اول، ص ۹۴۔
۴۰ نفس مصدر، ص ۱۱۹، ۱۲۳۔
۴۱ نفس مصدر، ص ۱۷۵۔
۴۲ نفس مصدر، ص ۲۱۵۔
۴۳ نفس مصدر، ص ۷۴۔
۴۴ تفسیر ماجدی، جلد دوم، ص ۲۱۶، ۲۱۷۔
۴۵ نفس مصدر ۲۴۳۔
۴۶ نفس مصدر، ص ۳۰۰۔
۴۷ نفس مصدر، ص ۴۰۴۔
۴۸ نفس مصدر، ص ۵۴۱۔
۴۹ نفس مصدر، ص ۵۵۹۔
۵۰ تفسیر ماجدی، جلد سوم ص ۹۹، ۱۰۰۔
۵۱ تفسیر ماجدی، جلد سوم، افتتاحیہ ص ۲۔
۵۲ تفسیر ماجدی، جلد اول، ص ۱۷۵، ۱۷۷۔
۵۳ نفس مصدر، ص ۳۰۲۔
۵۴ نفس مصدر، ص ۳۰۲، ۳۰۳۔
۵۵ نفس مصدر، ص ۵۳۹۔
۵۶ نفس مصدر، ص ۵۴۰۔

ابن قیمؒ کی جانب منسوب

کِتابُ الفوائِدِ المشوق الیٰ علوم القرآن

کا اصل مصنّف ـــــ ایک تازہ تحقیق

زکریا سعید علی

ترجمہ وتلخیص: ضیاء الرحمٰن فلاحی اعظمی

"کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان" ایک معروف کتاب ہے اور امام ابن القیم (م ۷۵۱ھ) کی طرف منسوب ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۲۷ھ[1] میں محمد امین الخانجی الکتبی[2] کے خرچ پر قاہرہ سے شائع ہوا اور اس کی تصحیح کا کام محمد بدر الدین النعسانی[3] نے انجام دیا تھا۔[4]

عربی کے نامور ادیب مصطفیٰ صادق رافعی نے اس کتاب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اگر تم قرآن مجید میں بلاغت کی اقسام اور ہر قسم کی مثالیں جاننا چاہتے ہو تو اس مقصد کے لئے ابن قیم کی کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان سے زیادہ مفید اور جامع کتاب کوئی اور نہیں۔ مصنف نے اس کتاب کی ترتیب میں فن بلاغت کی امہات کتب کو پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ساری کتابوں سے بے نیاز کردیتی ہے۔[5] رافعی نے ایک اور جگہ بھی اس کتاب کی جامعیت کی جانب اشارہ کیا ہے اور امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) اور ابن ابی الاصبع (م ۶۵۴ھ) کے بعد ابن القیم (م ۷۵۱ھ) کا ذکر کیا ہے۔[6]

ڈاکٹر احمد مطلوب نے اپنے تحقیقی مقالہ "البلاغۃ عند السکاکی" میں اس کتاب کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ کتاب سکاکی کے اثر سے خالی اور فن بلاغت پر ایک جداگانہ طرز کی مالک ہے، نیز یہ کہ اس کا تعلق ضیاء الدین ابن الاثیر کے تنقیدی اسکول سے ہے۔[7]

ڈاکٹر شوقی ضیف کی کتاب "البلاغۃ ـــــ تطور وتاریخ" میں بھی اس کتاب کا تذکرہ آیا ہے۔[8]

مذکورہ بالا تصنیفات میں سے کسی میں بھی ابن القیم کی جانب اس کتاب کی نسبت ک

صحت یا عدم صحت سے تعرض نہیں کیا گیا ہے بلکہ تمام ہی لوگوں نے اسے ایک مسلمہ کے طور پر قبول کیا ہے لیکن میں نے جب اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے ابتدا ہی سے اس نسبت کی صحت مشکوک نظر آئی اور جتنا ہی اس کتاب سے قریب ہوتا گیا اس شک میں اضافہ ہوتا گیا میں نے دیکھا کہ اس کتاب کا وہ مزاج و انداز ہی نہیں جو ابن القیم کی دوسری کتابوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ میرے نزدیک یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی مصنف کی تحریروں میں طرز ادا کا اتنا اختلاف پایا جائے۔

چنانچہ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے میں نے "نقد سند و متن" کا طریقہ اختیار کیا جو اسلامی علوم کی تاریخ میں قدیم زمانے سے متعارف ہے، جس کی داغ بیل علمائے حدیث نے ڈالی اور انہی کے واسطے سے دوسرے علوم میں بھی اس کا رواج ہوا۔

نقد سند کے لئے ان تمام مآخذ کی جانب رجوع کرنا ضروری تھا جن میں ابن قیمؒ کی سوانح اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ میں نے اس غرض سے طبقات و تراجم، فہارس کتب اور مصنفین کے تذکروں کا مطالعہ شروع کیا۔ ابھی کچھ دور ہی چلا تھا کہ مجھے استاذ بکر ابو زید کی تصنیف "ابن قیم الجوزیۃ، حیاتہ و آثارہ" مل گئی۔ اس کتاب میں ابن قیم کی تصنیفات کے استقصا اور توثیق کا کام بڑی دیدہ ریزی سے انجام دیا گیا ہے۔ استاذ بکر نے یہ بات بڑے وثوق سے کہی ہے کہ "الفوائد المشوق" کی طباعت سے قبل اسے کسی نے ابن قیمؒ کی جانب منسوب نہیں کیا۔[۲] موصوف نے ابن قیم کی تصنیفات کے استقصار کے لئے جن مآخذ کی طرف رجوع کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:[۳]

۱۔ ابن قیم کے شاگرد صلاح الدین صفدی (۷۶۴ھ) کی الوافی بالوفیات۔

۲۔ دوسرے شاگرد ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) کی الذیل علی طبقات الحنابلہ۔

۳۔ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) کی الدرر الکامنۃ۔

۴۔ ابن تغری بردی (۸۷۴ھ) کی المنہل الصافی۔

۵۔ سیوطی (۹۱۱ھ) کی بغیۃ الوعاۃ۔

۶۔ داؤدی (۹۴۵ھ) کی طبقات المفسرین۔

۷۔ حاجی خلیفہ (ت ۱۰۶۷ھ) کی کشف الظنون

۸۔ ابن العماد (ت ۱۰۸۹ھ) کی شذرات الذہب

۹۔ شوکانی (ت ۱۲۵۰ھ) کی البدر الطالع

۱۰۔ نواب صدیق حسن خان (ت ۱۳۰۷ھ) کی التاج المکلل

۱۱۔ اسماعیل پاشا البغدادی (ت ۱۳۳۹ھ) کی ہدیۃ العارفین

مذکورہ بالا سارے مراجع میں ابن قیم کی تصنیفات کا تذکرہ ہے مگر "الفوائد المشوق الی علوم القرآن" نام کی کوئی کتاب ان میں مذکور نہیں۔ یہ ایسی بات ہے جو ابن قیم کی جانب اس کتاب کی نسبت کو سخت مشکوک بناتی ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ابن قیم کی کوئی کتاب سات سو تک علمائے امت کی نگاہوں سے اوجھل رہے، کہیں اس کا ذکر مذکور نہ آئے۔ پھر اچانک اس زمانے میں وہ منظر عام پر آجائے۔

یہ تو تھا "نقد سند" کے پہلو سے اس مسئلہ کا جائزہ، جہاں تک "نقد متن" کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں میں نے دقت نظر سے کتاب کا مطالعہ کیا جس کے نتیجہ میں یہ بات میرے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ یہ کتاب اپنے متن کے اعتبار سے بھی ابن قیم کی تصنیف ہرگز نہیں ہو سکتی دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ مجاز کے سلسلہ میں ابن قیم کا موقف بہت مشہور ہے۔ انھوں نے اس کو "طاغوت" سے تعبیر کیا ہے، اور اپنی کتاب "الصواعق المرسلہ علی الجھمیہ والمعطلہ" میں ایک مستقل باب "فی کسر الطاغوت الثالث الذی وضعتہ الجھمیۃ لتعطیل حقائق الاسماء والصفات، وھو طاغوت المجاز" کے عنوان سے باندھا ہے۔[۱۱۵] ابن قیم نے اس کتاب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ "الفاظ کی یہ تقسیم حقیقت و مجاز شرعی تقسیم ہے نہ لغوی، شریعت میں اس طرح کی کوئی تقسیم وارد ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے نہ اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ اہل لغت میں سے کسی نے اس امر کی صراحت نہیں کی ہے کہ عربوں نے اپنی زبان کو حقیقت و مجاز کے دو خانوں میں بانٹ رکھا تھا۔ کسی عرب نے یہ نہیں کہا کہ یہ لفظ حقیقت ہے اور یہ مجاز۔ یہی وجہ ہے کہ خلیل سیبویہ، فراء، ابو عمرو بن العلاء اور اصمعی وغیرہ کا کلام اس بحث سے خالی ہے سائمہ اربعہ میں سے

بھی کسی سے یہ تقسیم منقول نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے لفظ "مجاز" کا استعمال کیا وہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی ہیں۔ ابو عبیدہ نے تفسیر پر اپنی مختصر کتاب کا نام "مجاز القرآن" رکھا۔ لیکن "مجاز" سے ان کی مراد "حقیقت" کا مقابل نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود لفظ کی تعبیر و تشریح ہے ۔ بعض دوسرے علماء نے اپنی کتابوں کا نام معانی القرآن رکھا یعنی الفاظ کا معنی مقصود ابن جریر طبری وغیرہ اسی کے لئے "تاویل" کا لفظ استعمال کرتے ہیں[۱۱]۔ بحث کے آخر میں ابن قیم فرماتے ہیں کہ "مجاز" کی اصطلاح ابتدائی تین صدیوں (جن کی فضیلت منصوص ہے) کے بعد کی پیداوار ہے اور اس کے موجد جہمیہ اور معتزلہ ہیں[۱۲]۔ پھر ابن قیم نے تقریباً ۸۰ صفحات میں حقیقت و مجاز کی اس تقسیم کے ابطال پر اصولی بحث کی ہے[۱۳]۔ اس کے بعد کلام اللہ اور کلام رسولؐ میں مجاز کا جو دعویٰ کیا گیا ہے اس پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور تقریباً ۴۰ صفحات میں اس کا مفصل جواب دیا ہے[۱۴]۔

ابن قیم کے مندرجہ بالا اقتباس سے مجاز کے بارے میں ان کا رویہ نہایت وضاحت سے سامنے آتا ہے۔ کوئی بھی صاحب بصیرت جو اس عبارت پر غور کرے گا اور اس کتاب پر نظر ڈالے گا جو "الفوائد المشوق" کے نام سے موسوم ہے اسے یہ فیصلہ کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ اس کے مصنف ابن قیم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کتاب میں مجاز پر بہت طویل گفتگو کی گئی ہے۔ مجاز کی چوبیس قسمیں بتائی ہیں اور ہر قسم کے تحت مزید کچھ قسمیں بھی ہیں۔ پھر قرآن مجید سے ان کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ یہ بحث "الفوائد المشوق" کے اس ایڈیشن میں جو ہمارے پیش نظر ہے ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے[۱۵]۔

ڈاکٹر صبری متولی کا خیال ہے کہ کتاب الفوائد المشوق فن بلاغت میں ابن قیم کے فکری ارتقاء کے آخری مرحلہ کی نمائندگی کرتی ہے جب وہ اپنے استاذ ابن تیمیہؒ سے علیحدہ ایک مستقل راستہ پر گامزن تھے اور اپنے سابقہ موقف پر جو الصواعق المرسلہ میں گزر چکا ہے نظر ثانی کر لی تھی[۱۶]۔

ہمارے نزدیک اس رائے کی حیثیت ظن و تخمین سے زیادہ نہیں۔ اگر بفرض محال ہم مان بھی لیں کہ یہ کتاب ابن قیم ہی کی تصنیف ہے جب بھی ڈاکٹر صبری کی مذکورہ بالا رائے اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک دونوں کتابوں کا زمانۂ تصنیف معلوم نہ ہو جائے، کیونکہ اس کے بغیر قدیم و جدید اور ناسخ و منسوخ کا فیصلہ کرنا ممکن نہ ہوگا۔

۲۔ کتاب الفوائد المشوق کے مصنف نے ایک جگہ زمخشری کا ذکر کرتے ہوئے ان کے لئے ترحم کا صیغہ (رحمہ اللہ) استعمال کیا ہے[۵۹]۔ یہ بات قابل غور ہے۔ ابن القیم جیسے سلفی العقیدہ شخص جس کے نزدیک معتزلہ بدعتی اور گمراہ فرقوں میں سے ہیں یہ غلطی نہیں ہو سکتی۔ اور زمخشری کا شمار تو معتزلہ کے سربرآوردہ علماء میں ہوتا ہے۔ اہل سنت والجماعت میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو ایک طرف معتزلہ کی گمراہیوں پر طعن و تشنیع بھی کر رہا ہو اور دوسری طرف ان کے کسی امام کے لئے "رحمہ اللہ" کا صیغہ بھی استعمال کرے۔

۳۔ ایک اور چیز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ امام فخر الدین رازی کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے مصنف نے تعظیم و تکریم کے کلمات استعمال کئے ہیں۔ جہاں بھی ان کا نام آتا ہے اس سے پہلے لفظ "امام" ضرور رکھتے ہیں۔ مثلاً، قال الامام فخر الدین رحمہ اللہ[۶۰] اسی طرح العز بن عبد السلام کا نام بھی تکریم کے ساتھ "الشیخ الامام عز الدین بن عبد السلام"[۶۱] لکھتے ہیں یہ بات بھی ابن قیم کے اسلوب کے لئے ایک اجنبی چیز ہے۔ ان کی کسی کتاب میں بھی یہ اسلوب نہیں ملتا[۶۲]۔ العز بن عبد السلام کا ذکر کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ انھیں "الشیخ ابو محمد ابن عبد السلام" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

۴۔ ایک مقام پر اس کتاب میں ابو العلاء المعری کے لئے "الشیخ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے[۶۳]۔ حالانکہ معری کے لئے ابن قیم نے ایک جگہ یہ الفاظ لکھے ہیں:

"بصارت اور بصیرت دونوں سے عاری، سگِ معرۃ النعمان جس کو ابو العلاء المعری کہا جاتا ہے"[۶۴] ابن قیم کو ابو العلاء کی کنیت بھی اپنی زبان سے براہ راست ادا کرنا اگوارا نہ ہوا بلکہ اس سے پہلے لفظ "المکنی" کا استعمال کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ابن قیم جیسے عفیف اللسان آدمی نے معری کے علاوہ کسی کے لئے اتنے سخت الفاظ استعمال کئے ہوں گے۔ اب "الفوائد المشوق" میں ان کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہو جائے اور معری کی تعظیم میں اسے "الشیخ ابو العلاء" کے الفاظ سے یاد کریں یہ بات کسی طرح باور کرنے کے قابل نہیں۔

۵۔ ابن قیم حدیث کے بلند پایہ اور وسیع النظر عالم تھے۔ سند و متن اور روایت و درایت کے اعتبار سے ان کی گراں قدر تحقیقات ہیں۔ ہمارے پاس ان کی جتنی تصنیفات ہیں وہ سب

اس کی شہادت دیتی ہیں۔ ضعیف اور ساقط روایات پر ان کی ایک مستقل کتاب المنار المنیف کے نام سے موجود ہے۔ علم حدیث میں جس شخص کا یہ رتبہ ہو اس سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جاتی کہ اس کی کسی کتاب میں موضوع احادیث داخل ہو جائیں۔ "الفوائد الشوق" نامی کتاب کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن میں کچھ تو ضعیف ہیں اور بعض سرے سے موضوع۔ ضعیف روایات کو جانے دیجئے کہ اہلِ علم کا ایک طبقہ ان سے استدلال کا قائل ہے۔ لیکن موضوعات تو سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں اور حدیث گھڑنے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید شدید ہے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

مزید براں ابن قیم کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ احادیث کی تخریج کرتے ہیں اور کتب السنۃ کے مصنفین کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن کتاب الفوائد الشوق میں یہ چیز بالکل مفقود ہے۔ اس کتاب میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کی تخریج کی گئی ہو۔

کتاب الفوائد میں "سہل ممتنع" کے باب میں احادیث نبوی سے کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں یہ روایت بھی ہے:[٢٤]

المعدۃ بیت الداء والحمیۃ رأس کل دواء وعوّدوا کل جسد ما اعتاد۔	معدہ بیماری کا گھر ہے۔ پرہیز سب سے اہم دوا ہے۔ جسم کو اسی چیز کا عادی بناؤ جس کا وہ عادی ہے۔

حالانکہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدۃ کا قول ہے۔ ایک سے زیادہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس قول کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب درست نہیں۔[٢٥]

اسی طرح "کتاب الفوائد" کے مصنف نے باب التشبیہ میں ایک حدیث درج کی ہے جس کا ذکر کتب بلاغت میں کثرت سے آتا ہے، یعنی "اصحابی کالنجوم ۔۔۔۔"[٢٦] اس کے بارے میں شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔[٢٧]

مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر مجھے شرح صدر ہو گیا کہ یہ کتاب، ابن قیم کی نہیں ہو سکتی رہا بعض لوگوں کا یہ خیال کہ ممکن ہے ابن قیم نے یہ کتاب ابن تیمیہ سے ملاقات سے پہلے لکھی ہو

تو اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ یہ بات تو اس وقت کہی جا سکتی تھی جب ابن تیمیہؒ کی جانب اس کی نسبت قطعی ہوتی۔ اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ اس کا زمانۂ تالیف ابن تیمیہ سے ملاقات سے پہلے کا ہے تو جیسا کہ استاذ بکر ابو زید نے لکھا ہے۔ ابن قیم اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کرتے اور اس سے رجوع کی صراحت کرتے تا کہ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔[۳۵]

آخر میں ہم محدث شہیر استاذ احمد محمد شاکر کی شہادت پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں: "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ اس کتاب کے قلمی نسخے پر ابن قیم کا نام جس خط میں لکھا ہے وہ اصل سے مختلف اور زمانۂ حال کا ہے۔ چنانچہ اس کے ناشر کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اس کتاب کو ابن قیم کی جانب منسوب نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کاتب نے احتیاط سے کام نہ لیا ہو، خصوصاً اس لئے بھی کہ ابن قیم کی تصنیفات میں یہ کتاب معروف نہیں ہے۔ لیکن ناشر نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور اس کو ابن قیم کے نام سے چھاپ دیا۔ فَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ"[۳۶]

یہ شہادت ایک محقق عالم کی ہے جو قضا کے دینی منصب پر بھی فائز رہا ہے اور جس کے زمانہ میں یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کے آخری کلمات سے درد و الم کا جو احساس ٹپکتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

جہاں تک کتاب کے نام "کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن و علم البیان" کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نام گھڑا ہوا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ناشر نے دوسری مرتبہ جب کتاب شائع کی تو اس کا نام "کنوز العرفان فی اسرار و بلاغۃ القرآن" رکھ دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی جانب "کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن و علم البیان" کی نسبت اور کتاب کا یہ نام دونوں ہی جعلی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا اصل مصنف کون ہے؟۔

۱۔ اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے مجھے کتاب کے اندر ہی دو لفظوں

سے ملاجن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں جاتا۔ مصنف کتاب نے فنون معانی کی ۱۲ ویں قسم کو "الاحتجاج النظری" کا عنوان دیا ہے اور لکھا ہے کہ "بعض ماہرین فن اسے "المذہب الکلامی" کا نام دیتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ متکلم ایک بات کہہ کر اس پر عقلی استدلال پیش کرے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یس: ۸۱)	کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان کی جیسی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

اس طرح یہ آیت کریمہ:

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یس: ۷۹)	کہتا ہے کہ بھلا ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی۔ کہہ دو ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔

ایک شاعر کہتا ہے:

جرى القضاء بما فيه فلا تلم
ولا ملام على ما خطّ بالقلم

ترجمہ: قضا و قدر کا فیصلہ یہی تھا تو اب اس پر ملامت نہ کرو۔ کلک تقدیر نے جو چیز لکھ دی ہو اس پر اعتراض درست نہیں۔

مصنف کا اختیار کردہ عنوان "الاحتجاج النظری" پھر ان کا یہ کہنا کہ بعض علما نے اسے "المذہب الکلامی" کا نام دیا ہے۔ ان دونوں باتوں پر میں چونکا اور سوچنے لگا کہ اس طرح کی بات میں نے کسی اور کتاب میں بھی پڑھی ہے۔ چنانچہ ابو حیان اندلسی (۷۴۵ھ) کی تفسیر "البحر المحیط" میں سورہ آل عمران آیت ۱۵۵ "قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ"

"هذا النوع عند علماء البيان يسمّى "الاحتجاج النظري" وهو أن يذكر المتكلم معنى يستدل عليه بضروب من المعقول، نحو، "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا"۔ "قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ"۔ "أَوَلَيْسَ الَّذِي

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ۔ وبعضهم يسميه المذهب الكلامي۔ ومنه قول الشاعر ۔

جرى القضاء بما فيه فلا تلم
ولا ملام على ما خط بالقلم

ابن حیان اندلسی کی اس عبارت کا مقابلہ "الفوائد المشوق" کے سابقہ اقتباس سے کیجیے، تو دونوں میں تقریباً مکمل مطابقت نظر آئے گی۔

جس زمانے میں میں ایم اے کا تحقیقی مقالہ "البلاغۃ عند ابی حیان فی تفسیرہ البحر المحیط" کے عنوان سے لکھ رہا تھا۔ ابوحیان کی یہ عبارت میری توجہ کا مرکز بنی تھی، اور اس پر میں نے درج ذیل نوٹ لکھا تھا:

"ابوحیان کے اس قول سے کہ بعض لوگ اسے "المذہب الکلامی" کا نام دیتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ مشہور اصطلاح "الاحتجاج النظری" کی ہے۔ جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ علمائے بلاغت کے یہاں رائج اور معروف "المذہب الکلامی" ہے۔ "الاحتجاج النظری" کا ذکر سب سے پہلے ابوحیان کے استاذ ابن النقیب کے یہاں ملتا ہے جیسا کہ سیوطی کی مندرجہ بالا عبارت میں گذر چکا ہے[۴۲]"

اس اقتباس میں سیوطی کی جس عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ علم معانی و بیان پر ان کے منظومہ کی شرح سے ماخوذ ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ "اس فن کو "المذہب الکلامی" کا نام جاحظ نے دیا اور ابن النقیب نے اسی کو "الاحتجاج النظری" سے موسوم کیا ہے"[۴۳]

سیوطی علمائے متاخرین میں سے ہیں اور جمع و تدقیق اور ضبط مصطلحات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ قطعیت کے ساتھ ان کا یہ کہنا کہ "الاحتجاج النظری" کے موجد ابن النقیب ہیں قابلِ غور ہے۔

یہاں پہنچ کر مجھے گمان ہوا کہ کہیں "کتاب الفوائد المشوق" ان ہی ابن النقیب کی تصنیف نہ ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے سیوطی کی دی ہوئی معلومات کی تصدیق کے لیے، جہاں تک ممکن ہو سکا بلاغت کی ساری کتابیں، دیکھ ڈالیں۔ لیکن "الفوائد" کے علاوہ کسی کتاب میں بھی "الاحتجاج" کی تعبیر نہ مل سکی[۴۴] اس سے میرے شبہ کو تقویت ملی کہ یہ کتاب دراصل ابن النقیب

کا وہ مقدمہ ہے جس کا ذکر ابوحیان اندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط کے شروع میں کیا ہے۔ فصاحت وبلاغت کے پہلو سے قرآن مجید کی تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے ابوحیان رقم طراز ہیں:

اس کا ماخذ علم بیان اور علم بدیع ہے۔ اس موضوع پر بہت سی تصنیفات ہیں لیکن سب سے جامع دو کتابیں ہیں: ایک ہمارے استاذ امام ادب اور مرد صالح ابوعبداللہ محمد بن سلیمان النقیب کی ہے جو دو جلدوں میں ہے اور جسے انھوں نے اپنی تفسیر کے لئے بطور مقدمہ لکھا تھا۔ دوسری کتاب ہمارے استاذ امام ادب اور حافظ متبحر ابوالحسن حازم بن محمد ابن حازم اندلسی انصاری قرطاجنی مقیم تونس کی "منہاج البلغاء وسراج الادباء" ہے[35]۔

۲۔ پھر ابوحیان کی تفسیر البحر المحیط میں فن بلاغت پر جو مواد موجود ہے اس کا موازنہ کتاب "الفوائد المشوق" سے کیا گیا تو غیر معمولی مشابہت نظر آئی۔ اس سے میرے خیال کو مزید تقویت ملی۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ "وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ" کی تفسیر میں ابوحیان فرماتے ہیں:

"اس آیت میں بلاغت کی ایک قسم ہے جسے "تتمیم" کہتے ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ کلام کے بعد کوئی ایسا لفظ لایا جائے جس سے اس کلام میں پایا جانے والا التباس دور اور بات فہم سے قریب ہو جائے مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول: "وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ"[36]

تتمیم کی یہ تعریف "الفوائد" میں دی ہوئی تعریف کے عین مطابق ہے[37]۔ نیز یہ تعریف مجھے اس کتاب الفوائد اور البحر المحیط کے علاوہ بلاغت کی کسی کتاب میں نہیں ملی۔

اسی طرح ارشاد باری: "مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ" کی تفسیر میں ابوحیان نے "تلمیح" پر جو کچھ لکھا ہے[38] وہ بجنسہ الفوائد میں موجود ہے[39]۔

البحر المحیط اور الفوائد کے درمیان زبردست قربت ومشابہت کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ سورۃ المومن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ	اور آل فرعون میں سے ایک مرد مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہا: کیا تم لوگ ایک شخص کو اس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے کہ

وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ (المؤمن: ۲۸)

میرا رب اللہ ہے درآنحالیکہ وہ تمہارے رب کی جانب سے نہایت واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور اگر وہ سچا ہوا تو اس کا کوئی حصہ تم کو پہنچ کر رہے گا جس کی وہ تم کو وعید سنا رہا ہے۔ اللہ اس کو بامراد نہیں کرے گا جو حد سے گزرنے والا لپاٹیا ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں البحر المحیط میں لکھا ہے:

"صاحب التحریر والتحبیر فرماتے ہیں: یہ علم بیان کی ایک قسم ہے جسے ہمارے علماء نے "استدراج المخاطب" کا نام دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس مرد مومن نے دیکھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا عزم مصمم کر لیا ہے اور قوم ان کی تکذیب پر کمر بستہ ہے تو اس نے حضرت موسیٰؑ کی مدد کرنی چاہی، مگر اس طرح کہ یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ حضرت موسیٰؑ کے لئے اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ ہے یا وہ ان کے متبعین میں سے ہے۔ چنانچہ اس نے نصیحت آمیز نرم لہجہ اختیار کیا۔ اور کہا: "کیا تم ایک شخص کو اس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"۔ حضرت موسیٰؑ کا نام نہیں لیا بلکہ صرف "رجلا" کہا۔ گویا نہ وہ ان کو جانتا ہے اور نہ ان کا حامی ہے۔ اس کے بعد "ربی اللہ" کہا۔ "رجلا مومنا باللہ" یا "ہو نبی اللہ" نہیں کہا، کہ اس صورت میں یہ بات فاش ہو جاتی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کا ہم نوا ہے۔ اس کے بعد ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہے: "وان یک کاذبا" جھوٹے ہونے کا ذکر پہلے کرتا ہے کہ یہ فرعون کی رائے کے مطابق ہے۔ اس کے بعد "وان یک صادقا" کہتا ہے۔ اس تدریجی اسلوب کے بجائے اگر وہ کہتا کہ "ہو صادق وکل ما یعدکم" تو سب جان لیتے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کا طرفدار ہے، انھیں نبی مانتا ہے اور ان کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر وہ ایک ایسا جملہ ادا کرتا ہے جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ"[۴۶]

یہ صاحب التحریر والتحبیر جن کا ذکر ابوحیان نے کیا ہے ان کے شیخ ابن النقیب ہیں۔

اور یہ کتاب ان کی تفسیر کبیر ہے جس کا پورا نام "التحریر والتحبیر لاقوال ائمۃ التفسیر فی معانی کلام السمیع البصیر" ہے۔ اس تفسیر کے لئے انھوں نے فن بلاغت پر ایک طویل مقدمہ لکھا تھا جو بعد میں "مقدمہ ابن النقیب" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مقدمہ کا ذکر ابوحیان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی کیا ہے جن میں سرفہرست بدرالدین زرکشی (م ۷۹۴ھ) ہیں۔ انھوں نے بھی اس مقدمہ کی توصیف میں لکھا ہے کہ فن بلاغت پر سب سے جامع تصنیف ہے۔[41] ابن السبکی نے بھی اپنی کتاب عروس الافراح کے مآخذ میں اس مقدمہ کا ذکر کیا ہے۔[42]

فصاحت و بلاغت سے متعلق مباحث میں البحر المحیط اور کتاب الفوائد المشوق کے درمیان اس گہری مطابقت و مشابہت نے ڈاکٹر محتسب کو بھی اپنی جانب متوجہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالہ "ابوحیان اندلسی کا تفسیری منہاج" میں لکھا کہ ان مباحث کے مآخذ "کتاب الفوائد المشوق" کا ذکر ابوحیان نے تفسیر کے مقدمہ میں نہیں کیا اور بلا حوالہ اس سے اقتباسات نقل کئے ہیں۔[43]

الغرض تفسیر البحر المحیط کے مذکورہ مطالب اور الفوائد المشوق کے مابین اس غیر معمولی مماثلت اور مصنف کی مخصوص اصطلاح "الاحتجاج النظری" سے جس میں وہ منفرد ہیں۔ مجھے کسی قدر یہ اطمینان ہوگیا کہ یہ کتاب الفوائد دراصل ابوحیان کے شیخ ابن النقیب کا مقدمۂ تفسیر ہے۔

۳۔ اس کے بعد میں نے مختلف کتابوں میں ابن النقیب کے حوالوں کی جستجو شروع کی اور اس تلاش و تحقیق میں بعض دلچسپ حقائق سامنے آئے۔ بدیع کی اقسام میں توریہ پر گفتگو کرتے ہوئے سیوطی لکھتے ہیں:

"توریہ کے بارے میں بعض لوگوں نے ایک عجیب قول نقل کیا ہے کہ توریہ یہ ہے کہ متکلم ایک ہی لفظ کو دوبار متصل استعمال کرے مگر دونوں کا محل مختلف ہو۔ مثلاً آیت کریمہ: "مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ اللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ" میں لفظ "اللہ" دو بار آیا ہے، پہلی جگہ مضاف الیہ ہے اور دوسری جگہ مبتدا۔ اسی طرح ارشاد باری "اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ فِیْہِ رِجَالٌ" میں پہلا "فیہ" "تقوم" سے متعلق ہے اور دوسرا "رجال" کی خبر کے طور پر آیا ہے۔ اندلسی نے ابن النقیب کی تفسیر سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک جس نے قول نقل کیا ہے اس سے تصحیف ہوگئی

ہے۔ کیونکہ یہ تو بدیع کی وہ قسم ہے جسے "تردید" کہتے ہیں اور اطناب کی بحث میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ ناقل نے "تردید" کو بدل کر "توریہ" کر دیا۔ بعد میں ابن مالک کی کتاب المصباح دیکھی تو اس میں "تردید" کی مثال میں پہلی آیت نظر آئی اس سے میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔"[۴۴]

اللہ تعالیٰ سیوطی پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ ان کی اس عبارت سے میری ساری الجھن دور ہو گئی۔ توریہ کی یہ نادر تعریف جس کی طرف سیوطی نے اشارہ کیا ہے "الفوائد المشوق" میں میری نظر سے گزری تھی اور میں نے اپنے نسخہ کے حاشیہ پر یہ نوٹ لکھا تھا کہ یہ بات توریہ کی مشہور تعریف کے خلاف ہے۔[۴۵] اور اب سیوطی کی یہ عبارت صاف بتا رہی تھی کہ توریہ کی یہ عجیب و غریب تعریف ابن النقیب کی ہے۔

سیوطی کی مندرجہ بالا عبارت پر میں نے دوبارہ غور کیا۔ مجھے خیال آیا کہ "الاندلسی" سے مراد شائد ابوجعفر اندلسی ہوں اور ممکن ہے یہ عبارت ان کی اس کتاب میں ہو جو انھوں نے اپنے دوست ابن جابر کے قصیدۂ بدیعیہ کی شرح میں لکھی ہے۔ دار الکتب المصریہ میں اس شرح کے جو "الحلۃ السیراء فی مدح خیر الوریٰ" کے نام سے مشہور ہے، کئی نسخے محفوظ ہیں۔ چنانچہ یہ عبارت اس شرح میں مل گئی اور طے ہو گیا کہ اندلسی سے سیوطی کی مراد یہی ابوجعفر احمد بن یوسف بن مالک رعینی غرناطی (۷۷۹ھ) ہیں۔ ابوجعفر نے توریہ کی مشہور تعریف ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"توریہ کی تعریف میں ہم نے جو کچھ کہا ہے وہی علماء کے یہاں متداول ہے۔ لیکن ابن النقیب نے اپنے مقدمۃ التفسیر میں توریہ کی ایک نادر تعریف لکھی ہے۔"[۴۶]

اس کے بعد وہی عبارت ہے جو سیوطی کی کتاب سے ابھی ہم نقل کر آئے ہیں۔

ابوجعفر کی کتاب سے براہ راست رجوع کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ یہ صراحت مل گئی کہ یہ تعریف ابن النقیب کے مقدمۃ التفسیر سے ماخوذ ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف یہ ثابت ہوا کہ کتاب الفوائد دراصل ابن النقیب کا مقدمۃ التفسیر ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لفظ توریہ کی تصحیف اس کتاب میں بہت قدیم ہے، چنانچہ ابوجعفر اندلسی (۷۷۹ھ) کے پیش نظر جو نسخہ تھا اس میں یہ موجود تھی۔ بعض لغزشیں کتنی مبارک ہوتی ہیں! دیکھئے اس غلطی نے ایک

کتاب کی نسبت کی تصحیح میں ہماری کتنی مدد کی۔

۴۔ ابن النقیب کا ایک اور اقتباس سیوطی نے کتاب الاتقان میں "تضمین" کی بحث میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "تضمین کی مثال میں ابن النقیب وغیرہ نے قرآن کریم کی وہ آیات بھی پیش کی ہیں جن میں مخلوقات کی زبان سے ان کی باتیں نقل کی گئی ہیں۔ مثلاً ملائکہ کا یہ قول: "أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا" یا منافقین کا یہ قول: "أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ"

یہاں تک جو بات کہی گئی ہے اس میں جیسا کہ واضح ہے ابن النقیب کے ساتھ دوسرے علماء بھی شریک ہیں مگر اس کے بعد یہ جملہ ہے: "قال: وكذلك ما أودع فيه من اللغات الأعجمية[۴۷]" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہ عجمی الفاظ جو قرآن میں آئے ہیں ان پر بھی تضمین کا اطلاق ہوتا ہے" صرف ابن النقیب نے کہی ہے۔[۴۸] اب ملاحظہ ہو "الفوائد المشوق" ص ۱۱۷-۱۱۸۔ یہ پورا اقتباس اس میں مل جائے گا۔

۵۔ کتاب الفوائد کسی تفسیر کا مقدمہ ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصنف نے اس کی آخری فصل میں ان الفاظ" قرآن، سورہ، آیت، کلمہ، حرف" کے اشتقاق اور ان کے معانی پر بحث کی ہے اور اس کی تاخیر پر یوں معذرت بھی کی ہے: "حق تو یہ تھا کہ ان الفاظ کے اشتقاق اور معانی کا بیان کتاب کے شروع میں ہوتا۔۔۔۔۔۔[۴۹]"

پھر یہ بات کہ" یہ کتاب فن بلاغت پر تفسیر قرآن کے لئے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے تاکہ قرآن فہمی میں معاون ثابت ہو" کتاب کے خطبہ ہی سے واضح ہو جاتی ہے جس میں مصنف نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی جانب اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ" قرآن مجید کی فضیلت اسی پر منکشف ہو سکتی ہے جو کلام عرب سے آشنا ہو، اور فصاحت و بلاغت کی اقسام سے واقف ہو۔ اس کے بغیر کوئی شخص قرآن کریم پر غور و فکر کا اہل نہیں اور دوسرے کلام پر اس کے تفوق اور اس کی انفرادیت کو محسوس نہیں کر سکتا۔[۵۰]"

اس کے بعد فرماتے ہیں: "ہم اپنی اس کتاب میں علم بیان کے کچھ بنیادی اصول اور فوائد (قرآن کریم سے اس کی مثالیں پیش کریں گے تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ جو شخص اس علم سے نابلد وہ قرآن کے معانی سمجھنے سے قاصر رہے گا۔[۵۱]"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "اس کتاب سے ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کی اقسام اور بدیع کے جو لطائف پوشیدہ ہیں ان کو ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے۔"[۵۱]

یہ تمام اقتباسات شہادت دیتے ہیں کہ یہ کتاب جس کا موضوع فن بلاغت ہے دراصل تفسیر قرآن کے مقدمہ کے طور پر لکھی گئی ہے۔

مقالہ کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مصنف ابن النقیب کے مختصر حالات قارئین کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں۔[۵۲]

پورا نام یہ ہے: ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان بن الحسن بن الحسین البلخی الاصل المقدسی[۵۳] الحنفی[۵۴] جمال الدین لقب ہے۔ ابن النقیب شہرت ہے۔ شعبان ۶۱۱ھ میں بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ صاحب "الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل" نے سن پیدائش ۶۲۱ھ لکھا ہے اس کے بعد پہلا قول بھی نقل کیا ہے۔[۵۶]

حافظ ذہبی نے "الامام القاضی المفسر العلامۃ الزاهد" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔[۵۷]

مصنف "الجواہر المضیئۃ" نے لکھا ہے: "ابن النقیب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں پیش پیش رہتے تھے۔ کسی بھی صاحب سطوت سے خوف نہ کھاتے۔ ایک بار امیر علم الدین سنجر شجاعی سے کہا: تم ظالم ہو، اللہ سے نہیں ڈرتے۔ اس نے تحمل سے سنا۔ اس کے دل میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی، چنا[نچہ] انھیں راضی کرنے کی کوشش کی۔"[۵۸]

صفدی نے بھی ابن النقیب کی نیکی، پرہیزگاری اور تواضع کا ذکر کیا ہے۔[۵۹]

ذہبی نے معجم الشیوخ میں لکھا ہے کہ حدیث میں ابن النقیب کے شیخ یوسف المخیلی[۶۰] تھے۔ ا[ن] کا پورا نام ابو الفضل یوسف بن عبد المعطی بن منصور الاسکندرانی تھا۔ مسلکاً مالکی تھے۔ برقہ کے علاقہ میں ایک جگہ "مخیل" کے رہنے والے تھے۔ حافظ سلفی اور دوسرے علماء سے حدیث کی روا[یت] کی۔ ۶۴۲ھ میں انتقال ہوا۔[۶۱]

ابن النقیب کا تذکرہ ابن الملقن نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں کیا ہے اور اپ[نے]

خرقۂ تصوف کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں ابن النقیب ان کے شیخ ہیں۔ ابن النقیب نے یہ خرقہ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) صاحب عوارف المعارف سے حاصل کیا تھا۔[۴۲]

فن حدیث میں ابن النقیب کے تلامذہ میں حافظ ذہبی سرفہرست ہیں۔ انھوں نے المعجم الکبیر میں اپنے استاذ کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے اور اختصار کے لئے "محمد بن سلیمان البلخی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے حدیث کی سماعت ابن النقیب سے اس زمانے میں کی جب وہ مصر میں مقیم تھے۔[۴۳]

حدیث میں ابن النقیب کے ایک ممتاز شاگرد مشہور مؤرخ و محدث علم الدین البرزالی (۷۳۹ھ) بھی ہیں۔ نام القاسم بن محمد تھا۔ اصلاً اشبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دمشق میں پیدا ہوئے۔ مصر و حجاز کا سفر کیا۔ البرزالی کی نسبت ایک بربری قبیلہ "برزالہ" کی جانب ہے۔[۴۴]

حدیث میں ابن النقیب کے ایک اور شاگرد ابن سامہ ہیں جن کا پورا نام محمد بن عبدالرحمن بن سامہ ہے۔ ۶۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مصر کے علماء سے حدیث کی سماعت کی۔ قاہرہ میں ۷۰۸ھ میں وفات پائی۔

ابن النقیب کے تلامذہ میں نحو و لغت اور تفسیر کے مشہور امام ابو حیان اندلسی بھی شامل ہیں۔ جنھوں نے بظاہر ان سے فن تفسیر میں استفادہ کیا تھا۔[۴۶]

حواشی اور حوالہ جات

۱ھ سرکیس نے ایک اور ایڈیشن کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس سے بھی پہلے ۱۳۱۶ھ میں مصر میں چھپا تھا۔ ملاحظہ ہو: معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ ۱: ۲۲۴ (مترجم)

۲ھ محمد امین خانجی ۱۸۶۵ء میں حلب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر قاہرہ منتقل ہوئے۔ جہاں مکتبۃ الخانجی کی بنیاد ڈالی اور عربی کی بہت سی نادر کتابیں شائع کیں۔ ۱۹۳۹ء میں وفات پائی۔ ان کے حالات کے لئے دیکھئے ڈاکٹر محمود طناحی کی کتاب "مدخل الی تاریخ نشر التراث العربی" ص ۵۹۔

۳ھ پورا نام محمد بن مصطفیٰ بن رسلان نعسانی حلبی ہے۔ عربی کے ادیب و شاعر تھے ۱۲۹۸ھ میں حلب میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا۔ مصر میں آٹھ سال تک ازہر میں مقیم رہے جہاں کتابوں کی تصحیح اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر طناحی کی مذکورہ بالا کتاب ص ۶۱

۴ اس کے بعد جو ایڈیشن نکلے وہ تھوڑے سے تصرف کے ساتھ اسی طبع اولیٰ سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً اس میں ناشر کا نام اور طبع اول کی تاریخ حذف کردی گئی ہے۔ اسی طرح مقدمہ کا کچھ حصہ بھی خارج کردیا ہے۔ مکتبۃ المتنبی قاہرہ نے پہلے اس کتاب کا عکس لیا پھر اس کو از سرِ نو کمپوز کرکے چھاپا۔ عجیب بات یہ ہے کہ آخر میں دار الکتب العلمیہ بیروت نے اس دعوے کے ساتھ اسے شائع کیا کہ اس کی تحقیق مستند مخطوطات کی روشنی میں کی گئی ہے۔ یہ دعویٰ مضحکہ خیز بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔ کیونکہ یہ ایڈیشن اپنے تمام تر محذوفات وتحریفات کے ساتھ مکتبۃ المتنبی کے ایڈیشن کا چربہ ہے!

۵ اعجاز القرآن للرافعی: ۲۱۰۔ ۶ ایضاً: ۲۵۶

۷ البلاغۃ عند السکاکی: ۳۵۷۔ ۸ البلاغۃ تطور وتاریخ: ۳۱۹-۳۲۰۔

۹ ابن قیم الجوزیہ۔ حیاتہ وآثارہ: ۱۸۴۔ میرا گمان تھا کہ مجھ سے قبل بکر ابوزید وہ پہلے شخص ہیں جن کو اس کتاب کی نسبت پر شک ہوا، مگر ڈاکٹر عبدالالہ بنہان (جامعۃ البعث، حمص) نے توجہ دلائی کہ بہت پہلے ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں مجلۃ المنار (جلد ۱۹ ص ۱۲۰) میں استاذ احمد محمد شاکر اپنے شبہ کا اظہار کرچکے ہیں۔

۱۰ ابن قیم الجوزیہ۔ حیاتہ وآثارہ: ۱۱۲-۱۱۶۔ ۱۱ مختصر الصواعق المرسلۃ: ۲۸۴۔

۱۲ ایضاً: ۲۸۵۔ ۱۳ ایضاً: ۲۸۷۔

۱۴ ایضاً: ۲۸۴-۳۶۴ ۱۵ ایضاً: ۳۶۵-۵۰۹۔

۱۶ کتاب الفوائد المشوق: ۹-۸۷۔ ۱۷ ملاحظہ ہو ڈاکٹر صبری کی کتاب "منہج اہل السنۃ فی تفسیر القرآن الکریم۔ دراسۃ موضوعیۃ لجہود ابن القیم فی التفسیر": ۴۳۱۔

۱۸ الفوائد المشوق: ۱۰۷۔ ۱۹ ایضاً: ۴۴۔

۲۰ ایضاً: ۱۳۔ ۲۱ مضمون نگار کی یہ بات درست نہیں۔ ابن قیم نے اجتماع الجیوش الاسلامیہ: ۱۲۱ میں امام رازی کو "الامام فخر الدین الرازی" لکھا ہے (مترجم)

۲۲ الفوائد المشوق: ۲۲۷ (دار الکتب العلمیۃ) ۲۳ حوالہ اصل مضمون کے حواشی میں طباعت کی غلطی سے نہ آسکا البتہ مختصر الصواعق (دار الکتب العلمیہ ۱۹۸۵ء) ص ۵۵ نیز ابوالعلاء کے لئے: "اعمی البصیرہ" کا لفظ ملا۔ (مترجم)

۲۴ الفوائد المشوق: ۲۲۳۔ ۲۵ زاد المعاد ۲: ۹۸

۲۷ـه الفوائد المشوق: ۵۶۔ ۲۸ـه سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۱: ۲۱۱۔

۲۸ـه ابن قیم الجوزیہ حیاتہ وآثارہ: ۱۸۵۔ ۲۹ـه مجلۃ المنار، جلد ۱۹، ص ۱۲۰ سنہ ۱۳۳۴ھ

۳۰ـه الفوائد المشوق: ۱۳۶۔ ۳۱ـه البحر المحیط ۳: ۸۹۔

۳۲ـه "البلاغۃ عند ابی حیان الاندلسی فی تفسیرہ البحر المحیط" اس کا مخطوطہ دار العلوم۔ جامعۃ القاہرہ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

۳۳ـه شرح عقود الجمان فی علم المعانی والبیان: ۱۲۳۔

۳۴ـه نیز ملاحظہ ہو: معجم مصطلحات البلاغیہ وتطورہا ۱: ۷۔ محمد بن علی الجرجانی (م ۷۲۹ھ) نے "المذہب الکلامی" کا نام "المحاجۃ" رکھا ہے۔ دیکھئے ان کی کتاب "الاشارات والتنبیہات فی علم البلاغۃ: ۸۰"

۳۵ـه البحر المحیط ۱: ۶۔ ۳۶ـه ایضاً: ۲: ۱۱۷۔

۳۷ـه الفوائد المشوق: ۹۰۔ ۳۸ـه البحر المحیط: ۵: ۸۵۔

۳۹ـه الفوائد المشوق: ۱۲۲۔ ۴۰ـه البحر المحیط: ۷: ۴۶۱۔ اس کا موازنہ الفوائد المشوق ۴۱۳-۴۱۴ سے کیجئے۔ اس تشریح میں اس جملہ کو نظر انداز کر دیا گیا کہ "درانحالیکہ وہ تمہارے رب کی جانب سے نہایت واضح نشانیاں لے کر آیا ہے"۔ یہ جملہ صاف بتاتا ہے کہ یہ مرد مومن حضرت موسیٰ کا ہم نوا ہے۔ (مترجم)

۴۱ـه البرہان فی علوم القرآن ۱: ۳۱۱۔ ۴۲ـه عروس الافراح ۱: ۳۱۱۔

۴۳ـه ملاحظہ ہو ڈاکٹر محتسب کا مقالہ "منہج ابی حیان فی تفسیرہ البحر المحیط" ص ۲۵/۳۳۹، ۳۴۲، ۳۴۵ (جامعۃ القاہرہ) ۴۴ـه شرح عقود الجمان: ۱۱۵۔

۴۵ـه الفوائد المشوق: ۱۳۶۔ ۴۶ـه الحلۃ السیرا فی مدح خیر الوریٰ: ۱۵۲ (مخطوطہ دار الکتب المصریہ نمبر ۲۸۲ بلاغت) ۴۷ـه الاتقان ۳: ۲۷۰۔ سیوطی نے معترک الاقران ۱: ۳۸۸-۳۸۹ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھئے البرہان فی علوم القرآن ۳: ۲۴۴۔

۴۸ـه "عجمی الفاظ" کے بجائے "معرب الفاظ" کہنا موزوں تھا (مترجم)

۴۹ـه الفوائد المشوق: ۲۴۴۔ ۵۰-۵۱ـه ایضاً: ۸۱/۱۵۔ ۵۲ـه ایضاً: ۲۲۵۔

۵۳ ابن النقیب کے حالات کے لئے درج ذیل مآخذ ملاحظہ ہوں:
معجم الشیوخ للذہبی: ۲: ۱۹۳، العبر فی خبر من غبر ۳: ۳۹۲-۳۹۳۔ السمین فی طبقات المحدثین: ۲۲۳، الوافی بالوفیات ۳: ۱۳۶، فوات الوفیات ۲: ۳۱۴، البدایہ والنہایہ: ۱۴: ۴-۵، الجواہر المضیہ ۳: ۱۶۵-۱۶۶۔ النجوم الزاہرۃ ۸: ۱۸۸، الدلیل الشافی علی المنہل الصافی ۲: ۶۲۵-۶۲۶۔ طبقات المفسرین للسیوطی: ۱۰۰، حسن المحاضرۃ ۱: ۲۶۴، الانس الجلیل ۲: ۲۱۷، طبقات المفسرین للداؤدی ۲: ۱۴۴، السلوک لمعرفۃ دول الملوک ۱: ۸۸۱، شذرات الذہب ۵: ۴۴۲، الفوائد البہیۃ: ۱۴۸، الاعلام ۶: ۱۵۰،

۵۴ مطبوعہ معجم الشیوخ ۲: ۱۹۳ میں "المقدسی" کے بجائے "الدمشقی" لکھا ہے جو بظاہر تحریف ہے۔

۵۵ شذرات الذہب ۵۔ ۴۴۲ میں "حنبلی" لکھا ہے۔ یہ بھی تحریف ہے۔

۵۶ الانس الجلیل ۲: ۲۱۷۔ نیز الفوائد البہیۃ: ۱۴۹۔

۵۷ معجم الشیوخ ۲: ۱۹۳۔

۵۸ الجواہر المضیۃ ۳: ۱۶۵۔ نیز دیکھئے طبقات المفسرین للداؤدی ۲: ۱۴۵۔ علم الدین سنجر شجاعی، ظالم شخص تھا۔ ۶۹۳ھ میں اسے قتل کیا گیا۔

۵۹ الوافی بالوفیات ۳: ۱۳۷۔ ۶۰ معجم الشیوخ ۲: ۱۹۳۔

۶۱ سیر اعلام النبلاء ۲۳: ۱۱۶- ۱۱۷، شذرات الذہب ۵: ۲۱۶۔

۶۲ طبقات الاولیاء: ۵۰۴۔ ۶۳ المعجم الکبیر ۲: ۱۹۳-۱۹۴۔

۶۴ حالات کے لئے ملاحظہ ہو: فوات الوفیات ۲: ۱۳۰

۶۵ الجواہر المضیۃ کا جو ایڈیشن ڈاکٹر عبدالفتاح الحلو کی تحقیق سے چھپا ہے اس میں "ابو شامہ" ہے محقق نے لکھا ہے کہ یہ ان کی تصحیح ہے۔ حالانکہ صحیح "ابن اسامہ" ہے۔ ملاحظہ ہو۔ الدرر الکامنۃ: ۴: ۱۱۷- ۱۱۸۔ ۶۶ البحر المحیط ۱: ۱۱۔

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۸/۲ جولائی۔دسمبر ۱۹۹۳ء

شکر

داؤد اکبر اصلاحی

شکر ہر صحیح فطرت میں ودیعت ہے۔ کوئی متنفس اس جذبہ سے خالی نہیں ہے۔ ہر دل کی یہ صدا ہے اس لئے اس کی صداؤں سے اعراض کرنا درحقیقت اپنی فطرت سے جنگ کرنا ہے۔ ہمارے باطن کی تمام کائنات اسی چراغ سے روشن ہے اور پھر اسی کا پرتو ہے جو ہماری اس مادی زندگی کی ظلمتوں کو دور کرتا ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ جذبہ نہ ہو تو وہ بھی ایک حقیر جانور ہے۔ اسی سے انسان کی وہ اصلی خصوصیتیں ظہور میں آتی ہیں جن کی بدولت وہ دنیا و آخرت کی تمام سرفرازیاں حاصل کرتا ہے۔ قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانی فضائلِ اخلاق اور تمام صحیح اعمال و عقائد کا سرچشمہ یہی ہے۔ یہ باب آخرت بھی ہے اور کلید دنیا بھی۔ روح اخلاق بھی ہے اور روحِ سیاست بھی۔ خلاصہ قرآن بھی ہے اور مقصود سنت نبوی بھی۔ پس جو شخص اس جذبے سے محروم ہے وہ گویا ہر چیز سے محروم ہے ایک چیز کھو کر اس نے ہر چیز کھو دی۔

اس تمہید کے بعد اب ہم اجمالاً اس لفظ کی اصل حقیقت کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔

شکر کا مفہوم

شکر نام ہے اس جذبۂ محبت کا جو خدا کی صفات ربوبیت و رحمت میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ شکر نام ہے اس کیفیت کا جو مظاہر قدرت ربانی کے مشاہدہ سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کیفیت کا پہلا ثمرہ ایمان ہے۔ اگر یہ کیفیت نہ ہو تو دل کا تمام عالم یکسر ظلمات ہے اور قرآن مجید نے اس حالت کی تعبیر کفر کے لفظ سے کی ہے۔

شکر مبادی دین کا سرچشمہ ہے

شکر تمام مبادی دین کا سرچشمہ ہے۔ اسی سے توحید و معاد کے اعتقاد کی راہ کھلتی ہے اور اسی سے آدمی کو ایمان بالرسالت کے لیے دلیل ہاتھ آتی ہے۔ ذیل میں ہم اس دعوے کی بعض دلیلیں اجمالاً بیان کرنا چاہتے ہیں۔ سورۂ نساء میں ہے:

(۱) مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (نساء: ۴۷)

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے اللہ قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں فرمایا، اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ" اگر تم نے شکر کیا اور ایمان لائے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل شکر ہے۔ آدمی میں جب یہ جذبہ زندہ ہوتا ہے تب ہی اس پر ایمان کی راہ کھلتی ہے۔

۲۔ قرآن پاک کی موجودہ ترتیب سے بھی ہمارے دعوے کے لیے ایک دلیل ہاتھ آتی ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ تمام سورتوں سے پہلے ہے اور اس کے متعلق یہ بالاتفاق تسلیم ہے کہ وہ سورۂ شکر ہے۔ اس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ دین کی تمام تعلیمات کا سنگ بنیاد شکر ہے۔ اسی سے اس کے تمام مبادی پیدا ہوتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے فاتحہ کا نام ام القرآن بھی ہوا۔

تفصیل بالا سے شکر کی مرکزیت ثابت ہو گئی ہوگی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دینی و دنیاوی ترقیوں میں اس کا کہاں تک دخل ہے؟

شکر دینی و دنیاوی ترقیوں کی اساس ہے

قرآن پاک کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ شکر اسلامی زندگی کے لئے سراسر باعث حیات ہے اور اس کا فقدان اس کے لئے ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ صدر اول کے مسلمانوں نے اسی حقیقت کو پا کر ایسی درخشاں ترقی کی کہ اس قسم کا عروج چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ لیکن جس وقت سے مسلمانوں نے اس عظیم الشان اصل کو چھوڑا ان کی رفعتوں کا قصر آناً فاناً میں گر گیا۔ نہ تو ان کے پاس تخت و تاج ہی رہا اور نہ اخلاقی طاقت ہی کے وہ مالک رہ گئے۔

اسی پر معاملہ ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اقوامِ عالم کی فہرست میں ان کا نام پست ترین قوموں کے سلسلے میں آنے لگا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کا محض ایک سبب ہے۔ وہ اسی حقیقت کا (جسے شکر سے تعبیر کرتے ہیں) فقدان ہے۔ یہ شاعری نہیں ہے بلکہ حقیقت ثابتہ ہے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ (ابراھیم: ۷)

اور جب اعلان کر دیا تمہارے پروردگار نے کہ اگر شکر کرو گے تو زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (پھر میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ یہ سنت الٰہی ہے کہ ہر وہ جماعت جس میں شکر کا جذبہ ہو گا وہی انعامات الٰہی سے متمتع ہو گی اور جو اس دولت سے محروم ہوں گے ان کے لئے دنیا میں بھی محرومی اور آخرت میں بھی۔ خدا کا یہ اٹل قانون ہے، اس میں تخلف ناممکن ہے۔ امت مسلمہ پر بھی خدا کی یہ سنت جاری ہوئی: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

ایک دوسرے مقام پر یوں مذکور ہے:

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (زمر: ۷)

اگر تم ناشکری کرو گے تو خدا تمہاری حمد کا محتاج نہیں ہے وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم اس کی شکر گزاری کرو گے تو اسے وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اس کے بعد اپنے رب کی طرف تمہیں پلٹنا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ اس لئے کہ وہ سینوں کے اسرار سے (بھی) واقف ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے یہ ہویدا ہے کہ رضوانِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ محض شکر ہے۔ اس کے بغیر نہ تو کسی کی آئندہ زندگی ہی کی تعمیر ممکن ہے اور نہ دنیا ہی میں کوئی نمایاں درجہ حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہر قسم کے امتیازوں کی کلید خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جسے چاہتا ہے عزت دیتا

ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس کے تمام امور حکمت پر مبنی ہیں۔ اس لئے انعامات سے وہی لوگ لطف اندوز ہوں گے جو شکر کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ مذکورہ بالا آیت اس بارے میں حجۃ قاطعہ ہے۔

اوپر کی تشریح سے یہ حقیقت ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ دینی و دنیاوی ترقیوں کا حصول یکسر شکر پر مبنی ہے۔ اس کے بعد اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ انسان ہی کے لئے شکر کی صفت مخصوص نہیں ہے، بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی حمد و تسبیح میں مشغول ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ان کی نغمہ ریزی مذکور ہے :

سورۂ حدید میں ہے :

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (حدید : ۱)

آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب خدا کی حمد و تسبیح میں لگی ہوئی ہیں۔

ایک دوسری جگہ یوں مذکور ہے :

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تغابن : ۱)

آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب خدا کی تسبیح کر رہی ہیں اسی کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یوں مذکور ہے :

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ (جمعہ : ۱)

آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب اس خدا کی تسبیح کر رہی ہیں جو بادشاہ پاک غالب حکمت والا ہے۔

ایک اور مقام پر یوں مذکور ہے :

وَلَہُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّہُ قَانِتُوْنَ ۝ (روم : ۲۶)

اور اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں ہیں سب اسی کے سامنے سرنگوں ہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہے کہ خدا کی حمد و تسبیح انسانوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی بے پناہ قدرت و جلال کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ کسی کو اس کی عبدیت سے

انکار کی تاب نہیں ہے۔ سب کے سب اس کی حمد میں نغمہ ریز ہیں اور غافل انسان کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ بھی اپنا ساز چھیڑے تاکہ دونوں کے نغموں سے آسمان و زمین گونج اٹھیں۔

سورۂ نور میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ (نور: ۴۱)

کیا دیکھتے نہیں کہ آسمانوں اور زمینوں میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب خدا کی تسبیح میں لگی ہوئی ہیں اور اڑتے ہوئے جانور پر کھولے ہوئے ہر ایک کو اس کی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے خوب واقف ہے۔

ایک دوسری جگہ یوں مذکور ہے:

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (رعد ۱۵)

اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں صبح و شام برضا و رغبت یا مجبوراً سجدہ کر رہی ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شکر ایسا فریضہ ہے جس سے کائنات کا کوئی ذرہ بھی مستثنیٰ نہیں ہے، ہر ایک طوعاً و کرہاً اس کی عظمت و جلال کے سامنے جبین نیاز جھکانے پر مجبور ہے۔

سورۂ رحمٰن میں ہے:

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ (رحمٰن: ۵)

اور سورج اور چاند ایک خاص انداز سے ہیں۔

مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ شمس و قمر کا ایک خاص مقدار سے اپنے حدود میں چکر لگانا ہی ان کی نماز ہے۔

ایک اور مقام پر اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ

خدا پاک ہے ان کی افترا پردازیوں سے، آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔

کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ بیشک خدا حلیم اور بخشنے والا ہے۔

(بنی اسرائیل: ۴۳-۴۴)

الغرض قرآن پاک میں بے شمار ایسی آیات مذکور ہیں جن سے شکر کی ہمہ گیری اور فطرت کائنات ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ آخر یہ جذبہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ قرآن پاک نے اس سوال کا متعدد جگہ جواب دیا ہے:

شکر کے محرکات

قرآن پاک کے استقصار سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار مقامات پر خداوند تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے شکر کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔

سورۂ نحل میں ہے:

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْأَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَّمَتَاعًا إِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

اور اللہ ہی نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تمہیں نکالا ہے اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دئے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ دیکھتے نہیں پرندوں کو کہ کیسے فضا میں بندھے ہوئے ہیں انھیں کوئی نہیں سنبھالتا بجز خدا کے ضرور اس میں ایمان والوں کے لئے بڑے بڑے دلائل ہیں۔ اور خدا ہی نے تمہارے لئے رہنے کے لئے گھر بنا دیئے ہیں اور اسی نے چوپایوں کی کھال سے تمہارے سفر و حضر کے لئے ہلکے ڈیرے بنا دئے ہیں اور ان کے اونوں اور بالوں سے سامان بنا دیا ایک مدت تک کے لئے اور تمہارے لئے اپنی مخلوقات سے سایہ کا سامان کیا اور پہاڑ میں چھپنے کی جگہیں بنا دیں اور بنا دیئے تمہارے لئے

سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَأْسَکُمْ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا وَاَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ (نحل: ۸۱-۸۳)

ایسے کرتے جو بچاتے ہیں تمہیں گرمی سے اور ایسے کرتے جو بچاتے ہیں لڑائیوں سے، اس طرح وہ اپنی نعمت کا تمہارے لئے اتمام کرتا ہے شاید کہ تم اس کی اطاعت قبول کرو۔ پس اگر وہ روگردانی کریں تو کچھ پرواہ نہیں، تجھ پر تو محض تبلیغ ہے یہ خدا کی نعمت پہچان کر اس کا انکار کرتے ہیں اور اور اکثر ان میں ناشکرے ہیں۔

مذکورۂ بالا آیات سے وجوب شکر کے متعدد پہلو نکلتے ہیں۔

۱۔ انسان اپنے وجود میں خدا کا محتاج ہے۔ اس نہج سے بھی اگر غور کیا جائے تو اس میں وجوب شکر کی بہت بڑی دلیل ہے۔

۲۔ خداوند تعالیٰ ہی نے انسان کو قوائے مدارک سے آراستہ کیا ہے۔ اس لئے ان قوی کا ایسا استعمال ہونا چاہیے جس سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو۔ اس میں بھی شکر کے وجوب کی بہت بڑی دلیل ہے۔

۳۔ دنیا میں جتنی مخلوقات ہیں ان میں سے ہر ایک کی پیدائش میں کوئی نہ کوئی غرض ہے۔ کوئی پانی برسانے پر مامور ہے تو کسی کے ذمہ موسم کا خوشگوار بنانا ہے۔ کسی میں حرارت کا مادہ ہے تو کسی میں برودت کا۔ تو ضرور ہے کہ انسان جو خلاصۂ کائنات ہے اس کی پیدائش کا بھی کوئی اہم مقصد ہو۔ قرآن مجید نے ان کی زندگی کا نصب العین شکر قرار دیا ہے اور یہی انسان کی فطرت بھی ہے اس لئے کہ ہر انسان جس میں فکر و نظر کا مادہ ہے جب وہ اپنے آپ کا اور نظام عالم کا مطالعہ کرے گا تو بے اختیار ہو کر خلاق عالم کے سامنے اپنی جبین نیاز ڈال دے گا۔

ایک اور مقام پر انعاماتِ الٰہی سے شکر پر یوں استدلال کیا گیا ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْہِ بِاَمْرِہٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ (جاثیہ: ۱۲)

خدا ہی نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے سمندر کو، تاکہ اس میں کشتیاں چلیں اس کے حکم سے، اور تاکہ تم اس کا فضل چاہو اور شاید کہ تم شکر ادا کرو۔

ایک اور جگہ نہایت تفصیل سے خدا نے اپنی نعمتیں یاد دلا کر شکر پر ابھارا ہے۔ ملاحظہ ہو:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(نحل: ۱۰-۱۴)

خدا ہی نے آسمان سے پانی برسایا ہے جسے تم پیتے ہو اور اسی سے درخت اگتے ہیں جن سے تم چراتے ہو۔ تمہارے لئے اگاتا ہے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے۔ اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں نشانی ہے اور اسی نے تمہارے لئے مسخر کر دیا رات اور دن اور سورج اور چاند اور تاروں کو سب اس کے حکم کے ماتحت ہیں ضرور اس میں عقلمند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں اور جو بکھیرا ہے تمہارے لئے زمین میں جس کے رنگ مختلف قسم کے ہیں۔ اس میں سبق حاصل کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے اور اسی نے دریا کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور نکالو جسے تم استعمال میں لاتے ہو اور تم دیکھتے ہو اس میں کشتیاں جو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم خدا کے فضل کی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

دیکھئے مذکورہ بالا آیات میں جو چیزیں مذکور ہیں کیا ان میں سے کسی ایک پر بھی انسان کا تصرف ہے کیا انسان کے حکم سے پانی برس سکتا ہے؟ اور کیا زمین اس کی خواہش پر اس کے لیے اپنے خزانے اگل سکتی ہے؟ اور کیا درخت ہیں اس کے اشارے سے پھل آسکتا ہے؟ اور کیا اختلاف لیل و نہار میں اسے ذرا بھی دخل حاصل ہے؟ غالباً ہر شخص بلا تردد ان سوالات کا جواب ان الفاظ میں دے گا کہ "یہ ضرور ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہماری ہی فائدہ رسانی کے

لئے ہے۔ اس لحاظ سے یہ پورا کارخانہ ہمارا خادم ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس پورے کارخانے کی باگ کسی اور ہی طاقت کے ہاتھ میں ہے جس کے حکم کے بغیر آسمان و زمین میں کوئی انقلاب نہیں ہو سکتا۔" پس انسان کی بےبسی کا جب یہ عالم ہے تو پھر اسی کا شکر بھی ہونا چاہیئے جس نے یہ سب کچھ اسے عطا کیا ہے اس لئے نہیں کہ وہ شکر کا بھوکا ہے بلکہ اس لئے کہ ہم اس کی نوازشوں کے زیادہ سے زیادہ مستحق ہو سکیں۔ مذکورۂ بالا آیات میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

تفصیل بالا سے یہ حقیقت محتاجِ بیان نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں مہربانی مقتضی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ اس کا شکر ادا کرے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شکر گزاروں کے لئے خدا کی طرف سے دنیا میں بھی تائید ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔ دونوں جگہ وہی اس کے الطاف کے مستحق ہوں گے جو اس کا شکر بجا لائیں گے۔

شاکروں کے ساتھ خدا کی تائید دنیا و آخرت میں

قرآنِ پاک کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں ان کی تائید دنیا میں بھی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی وہی نعمائے الٰہی سے محفوظ ہوں گے۔

سورۂ قمر میں مذکور ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ ه إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّآ آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ

لوطؑ کی قوم نے تنبیہوں کو جھٹلایا۔ ہم نے ان پر پتھراؤ کیا۔ بجز آلِ لوط کے کہ ہم نے انھیں سحر کے وقت نجات دی۔ ایسا بطورِ احسان کے اپنی طرف سے ہم نے کیا اور ہم اس طرح شکر گزاروں کو جزا دیتے ہیں۔ (قمر: ۳۳-۳۵)

مذکورہ بالا آیات میں تصریح ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ناشکری کے جرم میں ہلاک کر دی گئی اور حضرت لوطؑ اور ان کے اتباع پر محض ان کی شکر گزاری کی برکت سے آنچ تک نہ آئی۔ بلکہ یہ انھیں کی طرف سے خدا نے پرستارانِ باطل سے انتقام لیا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو جماعت جذبۂ شکر سے معمور ہوگی اس کے دشمنوں کا خدا بھی دشمن ہوگا اور اس کے

دوستوں کا بھی خدا دوست ہوتا ہے:

ایک اور جگہ یوں مذکور ہے:

وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ۝ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ ۝ قمر: ۱۳-۱۴)

اور ہم نے اسے اٹھا لیا ایک تختوں اور میخوں والی پر جو چلتی تھی ہماری نگرانی میں۔ اس شخص کو جزا دینے کے لئے جس کا انکار کیا گیا تھا۔

ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح کی تباہی بھی اسی لئے عمل میں آئی کہ وہ کفرانِ نعمت کے جرم کی مرتکب ہوئی۔

جس طرح دنیا میں شاکروں کے ساتھ خدا کی عنایت شاملِ حال ہوتی ہے اسی طرح آخرت میں بھی ان کے لئے سرخروئی حاصل ہوگی۔

سورۂ آل عمران میں ہے

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ۝ (آل عمران: ۱۴۵)

اور کسی پر موت نہیں طاری ہو سکتی۔ اِلّا یہ کہ اذنِ الٰہی ہو جائے (جس کے لئے) ایک وقت ٹھہرا دیا گیا ہے۔ جو دنیا کا ثواب چاہتا ہو اُسے ہم دنیا ہی کا ثواب دیں گے اور جو کوئی آخرت کے ثواب پر نظر رکھتا ہے اُسے آخرت کا ثواب دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو ان کی نیک عملی کی جزا ضرور دیں گے۔

دیکھئے مذکورۂ بالا آیت میں تصریح ہے کہ شاکر بندوں کے لئے خدا کے حضور میں بڑے بڑے انعامات ہیں۔ ذیل کی آیات اس بارے میں حجۃ قاطعہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا

بلاشبہ ابراہیم ایک پوری امت تھا اللہ کے آگے جھکا ہوا تھا ہرگز مشرکین میں سے نہ تھا وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا اللہ نے اسے برگزیدگی کے لئے چن لیا اور سیدھے راستہ کی

حَسَنَةً ، وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ہدایت دی اسے دنیا میں بھی ہم نے بہتری دی اور آخرت میں بھی، اور بلاشبہ آخرت میں اس کی جگہ صالح انسانوں میں ہوگی۔ (نحل: ۱۲۰-۱۲۲)

مذکورہ بالا آیات میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی شکر ہی کی بدولت دنیا و آخرت دونوں میں سربلندی و سرخروئی حاصل ہوئی۔

فہمِ قرآن اور اتحادِ امّت

محمد اسلم اصلاحی

جملہ انسانی تگ و تاز کے پیچھے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جن کے حصول کے لئے مناسب وسائل اور ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔ مقصد جتنا جلیل القدر ہوگا اس کے لئے ویسے ہی عظیم الشان وسیلہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس حقیقت کی روشنی میں اگر ہم مفسر قرآن علامہ عبدالحمید الفراہی کے فلسفۂ نظم قرآن کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات صاف طور پر نظر آئے گی کہ علامہ موصوف کا قرآن کی آیات و سور کے باہمی ربط و ارتباط پر زور دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ ملتِ بیضا کے مختلف دھڑوں کو منظم و مستحکم دیکھنا چاہتے تھے۔ اس عظیم الشان غرض و غایت کے حصول کے لئے ظاہر ہے کہ ایک صاحب ایمان کی نگاہ میں قرآن سے بڑھ کر اور کون سا وسیلہ ہو سکتا ہے خود اللہ تعالیٰ نے جہاں پراگندہ ذہن اور خودسر عربوں کے انتشار و انحلال کا تذکرہ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (آل عمران: ۱۰۳) کہہ کر کیا ہے وہیں فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا کہہ کر ان کے اتحاد و اتفاق کے سلسلے میں قرآن کے غیر معمولی اہمیت کے حامل کردار کو بھی نمایاں کیا ہے اسی اتحاد و اتفاق کی بازیابی کے لئے جب علامہ فراہیؒ نے قرآنی آیات پر تدبر و تفکر کی نگاہ ڈالی اور اس سلسلے میں گزشتہ تفسیری ذخائر کا بغور جائزہ لیا تو انھیں یہ ذخائر "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا" کی تفسیر نظر آئے۔ اس کثرت تعبیر کے وجوہ و اسباب کا پتہ لگانے کے لئے انھوں نے جب تفحص و تحقیق کے میدان میں قدم رکھا تو انھیں یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ آیات بینات کے مفاہیم و مدلولات کی یہ اختلافی تعبیرات بالعموم نظم قرآن سے بے توجہی کا نتیجہ ہیں اور یہ نتیجہ ہیں، مفسرین کے اس عدم تفکر کا جسے انھوں نے آیات کے سیاق و سباق نیز ان

کے نظم و انضباط کے تعلق سے روا رکھا ہے اس صورت حال نے ایک طرف جہاں بعض لوگوں کے سامنے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کی راہیں ہموار کیں وہیں دوسری طرف اس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ مختلف فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی اسی پس منظر میں نظم قرآن کی قدر و قیمت کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی بجا طور پر رقم طراز ہیں:

"ہر شخص جانتا ہے کہ اس ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی قرآن مجید کی حبل اللہ المتین کے ذریعے ہوئی ہے اور تمام مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سب مل کر اس رسی کو مضبوطی سے پکڑیں اور متفرق نہ ہوں۔ اس ہدایت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ ہمارے درمیان جتنے بھی اختلاف پیدا ہوں ہم ان کے فیصلے کے لئے رجوع قرآن کی طرف کریں لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ خود قرآن کے بارے میں ہماری رائیں متفق نہیں ہیں۔ ایک ایک آیت کی تاویل میں نہ جانے کتنے اقوال ہیں اور ان اقوال میں سے اکثر ایک دوسرے سے متناقض ہیں لیکن کوئی چیز ہمارے پاس ایسی نہیں ہے جو یہ فیصلہ کر سکے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول حق ہے کسی کلام کی تاویل میں اختلاف واقع ہو تو اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے سب سے زیادہ اطمینان بخش چیز اس کا سیاق و سباق اور نظام ہی ہو سکتا ہے۔"[۱]

اسی وجہ سے قرآن کی متعدد آیات میں ہمیں واضح طور پر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہم اپنے اختلافی امور میں خواہ ان کا تعلق معاشرت سے ہو یا معیشت سے، عبادت سے ہو یا سیاست سے، قرآن کی طرف رجوع کریں[۲] لیکن اگر آیات کی تفہیم میں ہی اختلاف پایا جاتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے یہ مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ فراہی کو اس مسئلے کی سنگینی کا احساس اس وقت شدت سے ہوا جب علی گڑھ کالج میں قیام کے دوران ان کی نظر سے سر سید علیہ الرحمہ کی تفسیر کے بعض ایسے اجزا گزرے جن کے بارے میں انھیں اندازہ ہوا کہ وہ من مانی تاویلات کے حامل ہیں[۳]۔ علامہ نے ان میں ان معانی تاویلات کے رد میں ہر چند کہ کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن وہ اسی زمانے سے ان اسباب و علل پر غور و خوض کرنے لگے جن کی اساس پر اس طرح کی من مانی

تاویلات شعوری اور بیشتر حالات میں غیر شعوری طور پر راہ پاجاتی ہیں۔ امر واقعہ خواہ کچھ بھی ہو، ان میں من مانی تاویلات کے اثرات ہماری عملی زندگی میں کتنی خطرناک صورتوں میں ظاہر ہوئے ہیں اس کا اندازہ ان اہل علم کو بخوبی ہے جنھیں مسلمانوں کی تاریخ سے معمولی سی بھی واقفیت ہے۔

ان من مانی تاویلات کے سدباب کے لئے علامہ نے قرآن حکیم کی آیات پر تدبر و تحص کیا تو وہ بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار وافتراق کی ایک بہت بڑی وجہ نظم قرآن کی طرف سے عدم التفات ہے۔ ایک ایسا نظم جو اس امر کی انتہائی کم گنجائش رکھتا ہے کہ قرآنی آیات کو مختلف معانی اور مختلف احتمالات کا مظہر بنا دیا جائے۔[۱۲] نظم قرآن کا یہی وہ پہلو تھا جس کو علامہ نے ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کے لئے ایک نسخہ کیمیا قرار دیا اور جس پر وہ زندگی بھر غور و خوض کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی قیمتی تحریروں کے ذریعے دوسروں کو بھی اس پر تفکر و تدبر کی دعوت دیتے رہے ان کی اس طرح کی کوششوں کا ماحصل یہ تھا کہ قرآن کا مطالعہ ہر طرح کے ذہنی تحفظات اور گروہی میلانات سے پاک صاف ہو کر کیا جائے اور اسے ایک ایسا کلام سمجھا جائے جو اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے انتہائی منظم اور مربوط ہے اور اپنے اسلوب نیز طرز بیان کے لحاظ سے انتہائی منسق و مرتب ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھے بغیر امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کس طرح ممکن ہو سکے گی اور کس طرح وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: ۱۰۳) پر عمل ہو سکے گا۔

آیات بینات کے سیاق و سباق سے ان کے حقیقی مفاہیم کے تعین کی کوششیں ہماری تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ہوتی رہی ہیں۔ بنا بریں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور علماء عظام نے انتشار و بحران کے زمانہ میں خواہ وہ بحران سیاسی ہو یا علمی فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ (الذاریات: ۵۰) پر عمل کرتے ہوئے قرآن کو حرز جان بنایا ہے اور اسی کے ذریعہ ہی افراد امت کو سلک اتحاد و اتفاق میں پرونے کی کوشش کی ہے اس سلسلے میں ہم میں سے شاید و باید ہی کوئی اس حقیقت سے ناآشنا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے کتاب الٰہی کافی ہے۔ خلیفہ ثانی کا یہ قول غماز ہے کہ اس سچائی کا جو

کے تحت ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ وایمان ہے کہ ہمارے جملہ اختلافات و تنازعات کا حل کتابِ الٰہی میں موجود ہے۔ قرآن کا اس ضمن میں خود یہ ارشاد ہے کہ

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (البقرۃ: ۲۱۳)

اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

بعد کے ادوار میں بھی جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ مسلمانوں کو پیش آیا جس سے ان کی صفوں کے اندر سیاسی، اجتماعی یا فکری انتشار کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو اربابِ عقل و ایقان نے بدون تاخیر اللہ تعالیٰ کے اس حکم

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ (النساء: ۵۹)

پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس کو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف۔

پر عمل کرتے ہوئے قرآن کی طرف رجوع کیا اور کامیابی کے ساتھ پیش آمدہ فتنہ سامانیوں کا قلع قمع کر دیا۔ عہدِ فاروقی میں سوادِ عراق کے مفتوحہ علاقوں کی ملکیت کے بارے میں جب صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو ایسے اہم اور نازک مسئلے میں جس کے اثرات انتہائی دوررس ہو سکتے تھے قرآن کی صرف ایک آیت (سورۃ الحشر: ۶-۱۰) قولِ فیصل ثابت ہوئی اور ہماری تاریخ کے اوراق بے شمار ایسے واقعات سے بھرے ہیں جن میں مسلمان قرآنِ حکیم کی بدولت شماتتِ اعداء، نیز اسلام مخالف قوتوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود ہر طرح کے سیاسی، فکری، معاشرتی اور اخلاقی انتشار سے محفوظ رہے ہیں۔

عہدِ عباسی کے دوران جب دنیا کی مختلف زبانوں کے علوم و فنون نیز فکر و فلسفہ کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالا گیا تو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ذہنی انتشار کا شکار ہو گیا افکار و خیالات کے ایسے بحرانی دور میں مسلمان مفکروں، مدبروں اور دانشوروں نے قرآن کی العروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور انجام کار ان کے عقائد و افکار پر یونانی منطق و فلسفہ اثر انداز نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں مفسرِ قرآن امام فخر الدین رازی کا درج ذیل قول انتہائی معنویت کا حامل ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

لقد اختبرت الطرق الكلامية والمناهج	میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج کو
الفلسفية فلم اجدها تروی غليلا	آزمایا لیکن ان سے نہ تو کسی پیاسے کی پیاس
ولا تشفی عليلا ورأيت اقرب الطرق	بجھتی ہے اور نہ کسی مریض کو شفا ملتی ہے۔ میں
طريقة القرآن[۵۵]	نے یہ پایا کہ قریب ترین طریقہ قرآن کریم کا ہے۔

رازیؒ کے مذکورہ الفاظ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ قرآن کا راستہ انتہائی قریبی اور سہل ہے لیکن بظاہر اس سہل راستہ کو طے کرنے کے لئے جس ژرف نگاہی، جگر سوزی اور جانکاہی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے موہوبہ صلاحیتوں کے حامل کچھ مخصوص افراد ہوتے ہیں۔

ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

کیونکہ یہ وہ امانت ہے جس سے زیر بار ہونے کے لئے آسمانوں، زمینوں حتیٰ کہ پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا(الاحزاب: ۷۲) اور اگر اس سے پہاڑوں کو زیر بار کر بھی دیا جاتا تو وہ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے۔(الحشر: ۲۱) بہرحال اللہ تعالیٰ نے اگر انسانوں کو اس کا مکلف بنایا ہے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے برگزیدہ بندوں کو اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی ہے۔ اس توفیقِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ یہ برگزیدہ بندے قرآن کے مفاہیم و مطالب کے سمندر میں غواصی کریں اور تلاش کریں ان مضامین و عناوین کو جو ہماری فکری، سیاسی اور معاشرتی زندگیوں کو اتحاد و اتفاق کے دھاگوں میں پرو دیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک ہمارے افکار و نظریات میں انضباط و اتفاق کی کیفیت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ہماری سوچ کا رُخ صحیح نہیں ہوگا اسی فکری انتشار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد[۵۶]

اس فکری انتشار سے بچنے نیز ذہنی اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لئے ہمارے پاس ہمارے نبیؐ پر نازل شدہ نسخہ کیمیا یعنی قرآن مجید ہے۔ وہ قرآن مجید جس کی منجملہ صفات میں سے ایک صفت اللہ تعالیٰ نے "غیر ذی عوج" بتلائی ہے۔ علامہ زرقانی نے اس غیر ذی عوج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلوب قرآن کا ایک بنیادی وصف ترصیع والنسجام ہے

اپنے اس خیال کا اظہار علامہ نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

فاذا هو وحدة متماسكة متآلفة على حين انه كثرة متنوعة متخالفة في بين كلمات الجملة الواحدة من التآخر والتناسق ما جعلها رائعة التجانس والتجاذب وبين جمل السورة الواحدة من التشابك والترابط ما جعلها وحدة صغيرة متآخذة الاجزاء متعانقة الآيات وبين سور القرآن من التناسب ما جعله كتابا سوى الخلق حسن السمت۔۔۔۔۔۔۔ فكانما هو سبيكة واحدة تأخذ بالابصار وتلعب بالعقول والافكار۔[۵۴]

قرآنی اسلوب کی اس خصوصیت کا کم و بیش سبھی مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اس خصوصیت کو قرآن کی معجزنمائی کی ایک بڑی دلیل قرار دیا ہے خود قرآن نے اپنی اس خصوصیت کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے اور لوگوں پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس کی آیات کو بڑے شرح و بسط اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک ایسی تفصیل جس میں ناہمواری اور شتر گربگی نہیں ہے اور جس میں دور از کار تشبیہات و استعارات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور جس میں لفظوں کو آبگینوں کے مانند صفحۂ قرطاس پر جما دیا گیا ہے، حقائق کائنات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ہر جملہ نہاں خانۂ دل میں اترتا چلا جاتا ہے بایں ہمہ وجوہ کوئی بھی انسان قرآن کے فصیح و بلیغ اسلوب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتاب مبین کی بعض ایسی ہی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے محمد اسد لکھتے ہیں:

The Quran has organic unity. No verse can be isolated from the preceding or the following verse

(قرآن کے اندر ایک ساختیاتی وحدت ہے۔ چنانچہ اس کی کوئی آیت ماسبق یا مابعد سے الگ نہیں ہے۔)[۵۵]

آیتوں اور عبارتوں کے اس حسن تنسیق کے اعتراف کے باوجود مفسرین کی ایک بڑی تعداد قرآن کی تقریباً ہر ایک آیت کے تعلق سے بہت سے اقوال نقل کرتی آئی ہے۔

انجام کار ایک ہی آیت کے ضمن میں کبھی کبھی اتنے اقوال جمع ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا نہ صرف مشکل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ان کا پڑھنے والا یا تو ان کی صحت کے بارے میں تردد میں مبتلا ہو جاتا ہے یا پھر یہ سمجھنے پر خود کو مجبور پاتا ہے کہ کتب تفسیر کی روشنی میں قرآن کے مطالب و معانی پر غور کرنے کا حاصل مزید الجھنوں اور پیچیدگیوں کو دعوت دینا ہے۔ قرآنی ہدایات وارشادات کے حوالہ سے لوگوں کی یہ حیرانگی اور سرگشتگی ہر دور کے عالموں کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنی رہی اور انھوں نے حتی المقدور اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی تاہم ان کی اس طرح کی کوششیں بیشتر حالات میں مزید ایک قول کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوئیں اس صورت حال کی بنیادی وجہ علامہ فراہی کے نزدیک آیات کے سیاق و سباق پر قلت تفکر و تدبر ہے بالفاظ دیگر اگر ہم کسی آیت کے حوالہ سے مختلف اقوال و آراء کو جمع کرنے کے بجائے خود قرآن کے ذریعہ ہی اس کے کسی متعین مفہوم و معنی تک پہنچنے کی کوشش کرتے نیز مختلف مماثل آیات کے تناظر میں اس کا جائزہ لیتے تو ہمارے لئے قرآن کے حقیقی مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہوتی۔ اس ضمن میں علامہ فراہی نے اپنے تجربات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "میں نے اپنی کتاب میں صرف وہی اقوال نقل کئے ہیں جو میری تحقیق پر صحیح اترتے ہیں اور یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، اقوال کی کثرت عموماً لوگوں کو بالکل حیران و درماندہ کر دیتی ہے، بسا اوقات لوگ مجرد اقوال نقل کر دیتے ہیں ان کے دلائل بیان نہیں کرتے، یہ ان اقوال کے کہنے والوں اور سننے والوں دونوں پر نہایت کھلا ہوا ظلم ہے۔ میں نے آیات کے معانی تفسیر کی کتابوں سے نہیں لئے ہیں بلکہ خود آیات پر ان کے سیاق و سباق اور ان کے مماثل کی روشنی میں غور کیا ہے" [۵۹]

سیاق و سباق نیز نظم کلام کے ذریعہ کسی متعین اور حتمی مفہوم و معنی تک پہنچنے کا راستہ علامہ فراہی نے صرف اس لئے اپنایا تا کہ وہ ایک طرف خود بھی حیرانگی و انتشار سے بچیں اور دوسری طرف اوروں کو بھی تذبذب نیز پراگندہ فکری سے نجات دلائیں۔ اس طرح کی کوششوں میں احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ جس چیز سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے وہ زمانہ جاہلیت کا ادبی و شعری ذخیرہ

ہے وہ ادبی و شعری ذخیرہ جس سے عرب قوم نزول قرآن کے وقت واقف تھی اور جو اس کے لئے سرمایۂ افتخار تھا اور جو ایسے بے شمار کلمات نیز تشبیہات و استعارات کا حامل ہے جن کا استعمال کتابِ الٰہی میں جا بجا ہوا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا ذکر بے محل نہیں کہ کسی لفظ کے کسی خاص مفہوم کے تعین سے قبل ہم پر لازم ہے کہ اس کے سیاق و سباق نیز اس کے مختلف محلات استعمال کو دھیان میں رکھیں۔ ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیں تقریباً ان تمام مقامات و محلات کی سیر کرنی ہوگی جہاں جہاں اس لفظ کو کسی شاعر یا ادیب نے استعمال کیا ہو یہ ایک انتہائی دیدہ ریزی اور جانکاہی کا عمل ہے۔ لیکن اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اختلاف و انتشار کو انسانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور جو اتحاد و اتفاق کے لئے اپنی جملہ صلاحیتوں کو وقف رکھتے ہیں۔

علامہ فراہیؒ نے ملت کے دیگر بیدار مغز دانشوروں کی طرح مسلمانوں بالعموم مسلمان علماء کے درمیان پائے جانے والے اختلاف و انتشار کو ختم کرنے کی غرض سے عربوں کے قدیم ادبی ذخائر کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور پھر اس مطالعہ کی روشنی میں قرآن کے متعدد کلمات نیز تراکیب کو ان کے صحیح تاریخی اور ادبی تناظر میں سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی۔ ان کی اس طرح کی کوشش کا سب سے بڑا ثبوت ان کی تالیف "مفردات القرآن" ہے جس میں انہوں نے ستر سے زائد کلمات کی تشریح و توضیح قدیم عربی ادب کے آئینے میں اس انداز سے کی ہے کہ قرآن میں ایسے کلمات جہاں جہاں استعمال ہوئے ہیں ان کا مفہوم و مدلول قریب قریب متعین ہو گیا ہے اور اس طرح ان کلمات کے تعلق سے اختلاف آراء کی گنجائش محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس طرح کی کوشش کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کلمات کے سلسلے میں علماء کے مفسرین کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں اور ان اختلافات کے نتیجے میں ان کے مابین جو بُعد اور دوری پائی جاتی ہے اس کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کی راہیں ہموار کی جائیں ہم میں کون اس حقیقت کا منکر ہو سکتا ہے کہ کلمات کے مفاہیم و معانی کے صحیح تعین کا اثر ہماری زندگیوں یا ہمارے اعمال پر نہیں پڑے گا۔ علامہ فراہیؒ کو اس حقیقت کا اندازہ بخوبی

تھا اور کیوں نہ ہوتا جب ہم سب کے سامنے خدا کے رسولؐ کا یہ انذار موجود ہے جس میں انہوں نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

انما ھلک من کان قبلکم باختلافھم فی الکتاب[۱۱] تم سے پہلے کے لوگ کتاب الٰہی میں اختلاف کے باعث ہلاک ہوئے!

گویا کتاب یعنی کتاب الٰہی کے مفاہیم و مطالب کا اختلاف و نزاع قوموں کی تباہی وبربادی کا سبب ہے لہٰذا اس کو معمولی سمجھنا یا اس کو دیگر امور کے مقابلہ میں کم اہمیت دینا ہم سب کے لئے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے۔ بنا بریں ہم پر لازم ہے کہ ہم ایسے تمام وسائل وذرائع کی تلاش جاری رکھیں جن کو بروئے کار لاکر ہم "اختلاف فی الکتاب" جیسی ہلاکت خیز صورت حال سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ علامہ فراہیؒ کی جملہ تفسیری خدمات میرے نزدیک اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ جیسا کہ "مقدمہ تفسیر" میں وہ اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"پہلے ایک آیت کی تاویل اس کی دوسری آیات سے کرتا ہوں اس کے بعد تبعاً اُس سے متعلق صحیح احادیث کا ذکر کرتا ہوں تاکہ نہ تو ان منکرین ہی کو کسی اعتراض کا موقع ملے جنھوں نے قرآن کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور نہ وہ ملحدین ہی کوئی اعتراض اٹھا سکیں جو ہمارے سر ایسی چیزیں تھوپتے ہیں جن کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان ایک حجت قاطع اور ایک مرکز جامع کی حیثیت سے کام دے سکے[۱۲]"

کسی صاحب ایمان وایقان کو کیا اس بات میں شمہ برابر بھی شک ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کے جملہ نزاعی معاملات میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سلسلے میں یہ خاص ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے اختلافی امور میں اللہ یعنی اس کی کتاب کی طرف رجوع کریں اور اس کی روشنی میں وہ جس فیصلے تک پہنچیں اس پر صدق دلی کے ساتھ بغیر چوں چرا عمل کریں۔ درج ذیل آیات میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا ٥ (الاحزاب: ۳۶)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے روا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیدیں کہ (پھر) ان کو اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب اس آیت کے کسی خاص شان نزول کا ذکر کرکے اس کی افادیت و معنویت اور فاعلیت کو کسی خاص زمانہ کی حدود میں مقید کر دیں۔ لیکن میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا حکم عام اور ہر زمانے کے لئے ہے اور اس کی پابندی ہر ایک کلمہ گو کو اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک کرنی ہے۔ مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم فرمانِ الٰہی کے لفظ لفظ پر نہ صرف ایمان و اعتقاد رکھیں بلکہ اپنی عملی زندگی پر بھی صدق دلی کے ساتھ انطباق کریں۔ اس وضاحت کی روشنی میں ہمارا یہ یقین ہونا چاہیئے کہ کوئی بھی صاحبِ ایمان احکام الٰہی نیز فرموداتِ رسولؐ سے کسی طور پر بھی پہلو تہی نہیں کرے گا۔ بنا بریں علامہ فراہی کا قرآن کو حجت قاطع اور مرکز جامع قرار دینا منطقی اور لابدی تھا کیونکہ عامۃ المسلمین نیز ان کے مختلف فرقوں کو اتحاد و اتفاق کی دعوت اگر کسی راستے سے موثر طور پر دی جا سکتی ہے تو وہ قرآن کا راستہ ہے وہ اس لئے کہ خرابی بسیار کے باوجود آج بھی مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جس کا ایمان کتابِ الٰہی پر نہ ہو اور جو قرآنی تعلیمات و ہدایات کو اصولی طور پر اپنی روزمرہ زندگی کے دیگر قوانین و ضوابط پر فوقیت نہ دیتی ہو۔

تاہم مسلمانوں کا اس مرکز جامع اور برہان قاطع سے انتفاع و استفادہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم (جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے) خود قرآنی آیات کی تفہیم و توضیح میں اختلاف آرا کا شکار نہ ہوں اور اگر کبھی کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اول اول ہم اس آیت کے حقیقی مفہوم و منشا کو اس کے سیاق و سباق کی روشنی میں متعین کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح اگر کامیابی نہ ملے تو خود قرآن میں ان مقامات کو تلاش کریں جہاں اس آیت کے مضمون کو کسی دوسرے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ قرآن فہمی

کے سلسلے میں بہت سے مفسرین عظام کا یہی طریقہ رہا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ طریقہ زیادہ منطقی اور قرین عقل و قیاس ہے۔ قرآن کا ایک ادنی طالب بھی اس امر کی گواہی دے گا کہ مقدس کتاب الٰہی میں اگر کہیں کسی بات یا واقعہ کا ذکر اجمالی طور پر آتا ہے تو دوسری جگہ اسی بات یا واقعہ کو بقدر ضرورت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس ایجاز و اطناب نیز تفصیل و اختصار کا مقصود بظاہر تکرار نظر آتا ہے لیکن ذرا سا غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات یا واقعہ کا اعادہ و تکرار مخصوص موقع و محل کی مناسبت سے کسی خاص مفہوم کے حامل ہیں اور ان سے کسی واقعہ کا کوئی ایسا خاص پہلو مراد ہے جس کا تعین صرف سیاق و سباق کلام کی روشنی میں ہی کیا جا سکتا ہے قرآن فہمی کے اس بنیادی نکتہ کی وضاحت عصر حاضر کے ایک مفسر قرآن نے اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں ان الفاظ میں کی ہے:

"میرا ذاتی تجربہ اور مدتوں کا تجربہ تو یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ایک ہی آیت میں بالکل مبہم نظر آتا ہے، دوسری آیت میں وہ بالکل بے نقاب ہو جاتا ہے اسی طرح ایک جگہ ایک بات کی دلیل سمجھ میں نہیں آتی لیکن دوسری جگہ وہ بالکل آفتاب کی طرح روشن ہو جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں بطور تحدیث نعمت کے یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے واضح ہوئی ہیں دوسری کسی بھی چیز سے واضح نہیں ہوئی ہیں۔" [۱۱]

قرآنی آیات اگر یونہی اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں تو اعتقادی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کے باب میں مختلف اقوال و آراء کی گنجائش بڑی حد تک ختم ہو جائے گی اور اس کا اثر ہماری عملی زندگی میں اتحاد و اتفاق کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس ضمن میں شاید کوئی اس سچائی کا منکر ہو گا کہ ہمارے باہمی تنازعات کی خشت اول بالعموم ہمارے ذہنوں میں ہی رکھی جاتی ہے اور اسی خشت اول پر بحث و مباحثہ نیز جنگ و جدال کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے بالفاظ دیگر ہماری فکر اور ہمارے ذہن سے ہی ہر طرح کے انتشار و افتراق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اب اگر اس سوتے کو ہی بند کر دیا جائے تو اتحاد و اتفاق کی راہیں از خود ہموار ہوتی چلی جائیں گی۔ اس سلسلے میں نظم قرآن کی فکر کس قدر

ممد و معاون ثابت ہوگی اس کا اندازہ نظم قرآن کے حوالہ سے ہماری گزشتہ وضاحتوں سے بخوبی ہوتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

لہ امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۵ء، جلد اول ص ۲۲-۲۱ (مقدمہ)

لہ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں، الشوریٰ: ۱۰

لہ محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی۔ علامہ حمید الدین فراہی۔ پہلی بار۔ مکتبہ الاصلاح، سرائے میر۔ اعظم گڑھ نومبر ۱۹۷۲ء۔ ص ۱۵

لہ زمین کیا آسمان بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے — غضب ہے سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تو نے

یہ شعر بانگ درا کی نظم بعنوان "تصویر درد" میں ہے۔

یہی چیز ایک دوسری جگہ علامہ کے یہاں اس انداز میں ہے

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پازند

بال جبریل۔ علامہ اقبال۔ کمال پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی (بدون تاریخ) ص ۱۵۔

۵ عماد الدین ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ۔ مطبعۃ السعادہ۔ مصر (بدون تاریخ) جلد ۱۳ ص ۵۶

لہ علامہ اقبال۔ ضرب کلیم۔ طارق برقی پریس۔ حیدرآباد دکن (بدون تاریخ) ص ۳

لہ محمد عبد العظیم الزرقانی۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن۔ الطبعۃ الثالثہ۔ دار احیاء الکتاب العربیہ۔ ۱۹۵۳ء۔ جلد ۲ ص ۲۱۲

لہ بحوالہ مسلم ورلڈ لیگ (جرنل)۔ جلد ۱۹ ۱۹۹۱ء۔ ص ۲۹۔

لہ حمید الدین فراہی۔ تفسیر نظام القرآن (ترجمہ از امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر۔ اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء۔ ص ۴۷

نلہ الجامع الصغیر جلد ۳ ص ۵۔

للہ تفسیر نظام القرآن۔ ص ۳۶۔

للہ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور، جلد اول۔ ص ۲۸ (مقدمہ)

اردو میں قرآنی مطبوعات

کتابیات

ابوسفیان اصلاحی

[اردو میں مطالعاتِ قرآن کے مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی مطبوعات کی کتابیات کی یہ تیسری قسط ہے۔ اس قسط میں تعلیمات قرآن کے موضوع پر شائع ہونے والی کتابوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسری قسط میں تحقیقات قرآنیات اور پہلی قسط میں قرآنی اشاریے، اصولِ تفسیر، اعجاز قرآن اور تاریخ نزول و تدوین قرآن کو شامل کیا گیا تھا۔]

تعلیماتِ قرآنی

آخری پیغام (قرآن کی روشنی میں) محمد مسعود احمد۔ سرحد پبلیکیشنز۔ کراچی۔ سنہ ۱۹۷۷ء ص ۲۴۰

آداب القرآن۔ محمد اشرف علی تھانوی۔ ادارہ اشرف العلوم۔ کراچی۔ سنہ ۱۳۶۶ھ ص ۳۲۔

آداب القرآن۔ احمد مالک۔ کتب خانہ اعزازیہ۔ دیوبند (بدون تاریخ)۔ ص ۲۲۔

آئینۂ قرآن۔ چاند کوٹی۔ مدینہ پریس۔ کراچی۔ سنہ ۱۹۵۱ء۔ ص ۳۲۔

آئینۂ قرآن۔ محمد حفیظ اللہ۔ دار الاشاعت۔ کلکتہ (بدون تاریخ) ص ۱۳۵

آئینۂ قرآن۔ محمد داؤد راغب رحمانی۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۱۴۴

آئینۂ قرآن یعنی تجلیات قرآن چشتی پانی پتی۔ آگرہ اخبار۔ آگرہ۔ سنہ ۱۹۴۷ء ص ۴۸۸

اچھی باتیں (پند و نصائح سے متعلق آیات) سعید الدین انصاری۔ دہلی (ب ت)

احسان عام۔ چراغ علی۔ وکیل ٹریڈنگ کمپنی۔ سنہ ۱۹۱۰ء۔ ص ۱۶

احسان فی تعلیم القرآن۔ فتح محمد تائب۔ مطبع النور محمدی۔ لکھنؤ۔ سنہ ۱۹۴۱ء۔ ص ۷۲

اخلاق القرآن ۔ واحدہ خانم ۔ بمبئی

ارشادات آسمانی ۔ عبداللہ ۔ نظامی بک ایجنسی ۔ بدایوں ۔ ۱۹۳۰ء ۔ ص ۶۴ ۔

ارشادات القرآن ۔ محمد فتح خان جالندھری ۔ مطبع دخانی ۔ رفاہ عام پریس ۔ ۱۹۰۳ء ۔ جلد اول ، ص ۱۷۵

اساسِ قرآن (درس قرآن) برکت علی ۔ مطبع گوجرانوالہ ۔

اسباق قرآن ۔ انتظام اللہ شہابی ۔ مکتبہ جامعہ دینیہ ۔ آگرہ ۔ ۱۳۶۰ھ ۔ ص ۳۲

اسرارِ مخفی عطیات (کلام پاک وظائف غوثیہ) درد علی شاہ ۔ آدم جی عبداللہ ۔ لاہور ۔ بدون تاریخ) ص ۱۸۳

اسلامیات (قرآن و سیرت) شکیل احمد ضیار ۔ علی بک ڈپو ۔ کراچی ۔ ۱۹۷۹ء (دو جلدیں)

اسلامی معاشرت (مضامین قرآن و تسہیل قرآن کا حصہ) پالوا برادرس ناشران ۔ کراچی ۱۹۶۱ء ۔ ص ۲۸۴ ۔

اسلامی معاشرت (قرآنی اوامر و نواہی) غلام احمد پرویز ۔ طلوعِ اسلام ۔ دہلی ۱۹۵۸ء ص ۵۶ ۔

اسوۂ حسنہ قرآن کی روشنی میں ۔ قاضی محمد شریف ۔ لاہور ۔ ۱۹۸۰ء ۔ ص ۵۲۸

اصلاح المسلمین (قرآن کی روشنی میں) محمد ادریس ۔ تاجگنج ۔ آگرہ ۔ ۱۹۳۱ء ص ۸۰

اعمالِ قرآنی مع اضافات جدیدہ ۔ محمد اشرف علی تھانوی ۔ مدینہ پبلشنگ ، کراچی ۔ ۱۹۶۳ء ۔ ص ۱۳۶

افادات قرآنی ۔ محمد زبیر ۔ ایجوکیشنل پریس ، کراچی ۔ ۱۹۷۹ء ۔ ص ۱۳۲

اقتباس الانوار من کلام الغفار ۔ محمد عبید اللہ صدیق ۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۴۰۸ ۔

اللہ کی باتیں بچوں اور نوجوانوں کے لئے (قرآن شریف کی اخلاقی نصیحتیں) محمد اسمٰعیل پانی پتی ۔ حالی بک ڈپو ۔ لاہور ۔ ۱۹۵۵ء ۔ ص ۹۶ ۔

اللہ کی قرآنی نشانیاں ۔ محمد عبد القیوم ندوی ۔ محمد زبیر ۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۰۸

امر بالمعروف ۔ ابو الکلام آزاد ۔ الہلال بک ایجنسی ۔ لاہور ۔ ۱۹۴۶ء ۔ ص ۱۳۸

انبیائے کرام وصحابہ عظام و اولیائے کرام اور دربار نبوی کے چار صد فیصلے۔ صوفی وارثی، میرٹھی ۱۹۰۹ء۔ ص ۱۹۰

انوار التنزیل۔ عبدالرزاق۔ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، چکوال ۱۹۷۷ء۔ ص ۴۸

انوار القرآن۔ انیس احمد بی اے۔ الجلیل بجنور۔ (بدون تاریخ) ص ۱۰۲

انوار القرآن۔ انوار الحق۔ ابوالضیاء، نذر الاسلام کیمبل پور ۱۹۳۹ء۔ ص ۵۶۳

انوار القرآن۔ عفت قریشی۔ بزم بتول۔ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۱۶۔

انوار القرآن۔ محمد ادریس۔ مکتبہ ذکری۔ رامپور ۱۹۷۹ء۔ ص ۲۰۸

انوار القرآن۔ سید راحت حسین۔ ادارہ انوار القرآن گوپال پور بہار ۱۳۶۰ھ۔ ص ۴۳۷

انوار القرآن۔ نور حسین۔ پبلک پرنٹنگ پریس۔ لاہور ۱۹۰۰ء۔

اوامر و نواہی قرآن۔ ابوالظفر موید الدین حسن فاروقی۔ قرآن و سیرت سوسائٹی حیدر آباد دکن (بدون تاریخ) ص ۱۲۸

ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں۔ محمد شفیع طبع دوم۔ ادارہ المعارف۔ کراچی ۱۹۷۲ء ص ۹۶

باب القرآن (تعلیم قرآن) ابوالسعید احمد الباقوی۔ دارالاشاعت۔ مدراس ۱۹۵۳ء ص ۳۲

بچوں کے لئے قرآن۔ عبدالرؤف۔ ویسٹ پاکستان۔ پبلشنگ کمپنی۔ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۱۲۷

برکات القرآن۔ الفرقان۔ ۱۳۴۳ھ۔ ص ۳۲

برہان ہدایت۔ عبدالرحمن مبشر۔ محمد صدیق امرتسر ۱۹۶۷ء۔ ص ۳۸۸

بزرگان دین اور قرآن۔ عبدالوہاب شعرانی (مترجم ابو محمد صالح) عالمگیر تحریک قرآن مجید۔ حیدرآباد۔ ۱۳۵۴ھ۔ ص ۱۳۴

بسم اللہ کے فضائل۔ محمد شفیع۔ دارالاشاعت۔ کراچی

بشارات رحمانیہ۔ تحفۂ آسمانی۔ عبدالرحمن مبشر ۱۹۷۵ء۔ ص ۲۲۴

بصائر القرآن۔ محمد مہدی۔ بھوپال ۱۹۲۲ء۔ ص ۲۰۸

بصائر القرآن۔ نکہت شاہجہانپوری۔ عرفانی پریس بمبئی ۱۹۳۷ء جلد اول، ص ۱۱۶

بصائر قرآنی۔ ایم عبدالرحمن۔ ایم ثناء اللہ خان۔ لاہور ۱۹۵۵ء ص ۲۰۸

بنیادی قرآنی تعلیم۔ محمد ابراہیم ہروی۔ اللجنۃ العلمیہ۔ حیدر آباد (بدون تاریخ) ص ۳۲۰
بولتا قرآن۔ محمد حسین۔ خواجہ حسن نظامی کتاب گھر لاہور۔ (بدون تاریخ) دو جلدیں۔
بھولی ہوئی باتیں (قرآن کی روشنی میں) ہما (بیگم اخلاق) سول اینڈ ملٹری پریس۔ کراچی
۱۹۴۹ء ص ۱۹۰
بیٹے کو نصیحت۔ محمد عبدالحیٔ۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۳۱
تائید السلام مع موئد القرآن۔ علی بخش۔ نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۷۳ء ص ۵۲
تائید القرآن۔ ثناء اللہ۔ کتب خانہ ثنائی۔ امرتسر
تجلیات قرآن کے چند عجائبات۔ (بیگم) اسحاق۔ فضل سنز۔ کراچی۔ ۱۹۷۰ء۔ ص ۱۹۸
تدریس القرآن۔ فروغ احمد۔ ایم سراج الدین اینڈ سنز۔ ۱۹۶۲ء۔ ص ۲۵۰
تذکرہ یعنی قرآن کے صحیح مقاصد۔ ملک محمد عنایت اللہ۔ ادارہ اشاعت التذکرہ۔
۱۹۲۴ء۔ ص ۲۷۲
تعلیم اتحادات (قرآن کی روشنی میں) عبداللہ۔ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۱۹ء ص ۵۶
تعلیمات قرآن (اخلاق) عبدالملک۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی (بدون تاریخ)۔ ص ۱۶
تعلیمات قرآن (عبادات) عبدالملک۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۶
تعلیمات قرآن۔ (عقائد) عبدالملک۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۶
تعلیمات قرآن (معاملات)۔ عبدالملک۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۶
تعلیم طفلاں (درس قرآن) عبدالحق صدیقی۔ نظامی پریس۔ کانپور ۱۲۸۸ھ
تعلیمات قرآن۔ (عبادت) عبدالملک۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ دہلی ۱۹۴۳ء ص ۱۶
تعلیمات قرآن۔ امین بھٹی۔ ستارہ بک ڈپو۔ لاہور ۱۹۶۲ء۔ ص ۲۰۸
تعلیمات قرآن (متعلقہ اصول دین وعقائد) اسلم جیراجپوری۔ تجلی برقی پریس۔ دہلی
۱۹۳۴ء۔ ص ۲۲۸
تعلیمات قرآن۔ عبدالحمید۔ قومی کتب خانہ۔ لاہور ۱۹۶۹ء۔ ص ۶۴۶
تعلیم القرآن۔ محمد کرم الٰہی۔ مطبع فیض عام۔ علی گڑھ۔ (بدون تاریخ) ص ۴۷
تعلیم قرآن۔ عماد الدین۔ کتب خانہ انصاریہ۔ جالندھر (بدون تاریخ) ص ۹۶

تعلیم القرآن۔ انیس احمد۔ مطبع انسٹیٹیوٹ۔ علی گڑھ۔ ص ۴۷
تعلیم القرآن۔ محمد ابراہیم میر۔ پنجاب سیالکوٹ (بدون تاریخ) ص ۱۵۲
تعلیم القرآن۔ محمد اویس ندوی۔ دوسرا ایڈیشن۔ معارف پریس۔ اعظم گڑھ ۱۹۵۹ء ص ۱۵۰
تعلیم القرآن۔ ثناء اللہ امرتسری۔ طبع ثانی۔ آفتاب برقی پریس۔ امرتسر ۱۳۴۹ھ ص ۲۴
تعلیم القرآن۔ تسنیم اللہ۔ پرنٹنگ پریس ورکس۔ دہلی ۱۹۵۲ء۔ ص ۴۲
تعلیم القرآن۔ خواجہ حسن نظامی۔ نظام المشائخ۔ دہلی ۱۹۳۵ء۔ ص ۹۴
تعلیم القرآن۔ محمد عبدالرحیم۔ دارالاشاعت تعلیم القرآن حیدرآباد دکن (ب ت) ص ۴۷
تعلیم القرآن۔ شمس الدین شیروانی پرنٹنگ پریس۔ علی گڑھ ۱۹۳۹ء ص ۱۱۲۔
تعلیم القرآن۔ بصیرالدین نعمانی۔ بارچہارم۔ مطبع فیضِ عام۔ علی گڑھ۔ ۱۹۱۲ء ص ۴۷
تعلیم القرآن۔ کرم الٰہی۔ مطبع فیضِ عام۔ علی گڑھ (بدون تاریخ) ص ۴۲
تعمیری انقلاب اور قرآنی اصولِ حکمت۔ حیدر زماں صدیقی۔ کتاب منزل۔ لاہور ۱۹۵۰ء ص ۲۱۳
تفہیم الدروس۔ احتشام علی۔ طبع اول۔ ادارہ تعلیمات اسلام۔ لکھنؤ (بدون تاریخ) ۱/۱۳۱،

۸۴/۲

تقدیس القرآن المنیر۔ اشرف علی تھانوی۔ اشرف العلوم۔ دیوبند ۱۳۶۷ھ۔
تکمیل انسانیت: آیاتِ قرآنی کی روشنی میں۔ افضل کیانی۔ یوسف پبلشرز۔ راولپنڈی ۱۹۷۹ء، ص ۱۴۴
تلاوتِ قرآن۔ ابو محمد مصلح۔ کتب خانہ حیدرآباد دکن۔ ص ۶۴
توحید القرآن۔ محمد ہارون۔ مطبع ناظم الہند۔ لاہور ۱۹۱۱ء۔ ص ۳۰۸
تلاوت قرآن۔ شاہ وصی اللہ۔ مکتبہ اشرفیہ۔ بمبئی (بدون تاریخ) ص ۱۴۸
تمہید ایمان بآیاتِ قرآن۔ احمد رضا۔ اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد ۱۹۷۶ء۔ ص ۸۰
تنویر الادیان فی فضیلت القرآن۔ لاہور ۱۹۰۹ء
تیسیر القرآن۔ محمد سلیم۔ نولکشور۔ لکھنؤ ۱۲۹۲ھ۔ ص ۱۹۲
تیسیر القرآن فی ترجمۃ القرآن۔ عبدالمجید۔ انصاری پریس۔ دہلی ۱۹۰۳ء۔ ص ۲۴

پیغام آسمانی حضرت محمدؐ کی زبانی۔ احمدیہ کتاب گھر۔ قادیان۔ سنہ۱۹۲۳ء ص ۲۴
پیغام قرآن۔ عبدالمجید قریشی۔ سیرت بکڈپو پرٹی ضلع لاہور (بدون تاریخ) ص ۲۳۶
پیغام حضرت مسیحؑ۔ محمد مالک کاندھلوی۔ ادارہ تبلیغِ اسلام بیت المحمد۔ سنہ۱۹۶۴ء ص ۱۴۳
پیامِ امین (قرآن کی روشنی میں) محمد عبداللہ منہاس۔ آفتاب برقی پریس۔ امرتسر سنہ۱۹۲۴ء۔ ص ۸۰

جنت کا منظر۔ خواجہ محمد اسلم۔ لاہور۔ سنہ۱۹۷۵ء۔ ص ۷۹۸
جواہر القرآن۔ جان۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ لاہور۔ سنہ۱۹۸۴ء
جواہر القرآن (قرآن کی روشنی میں) طنطاوی جوہری (مترجم عبدالرحیم) قومی کتب خانہ۔ لاہور۔ سنہ۱۹۶۶ء ص ۲۸۰

جوئے نور (قرآن) غلام احمد پرویز۔ ادارہ طلوعِ اسلام۔ لاہور۔ سنہ۱۹۵۹ء ص ۳۰۴
حدیث القرآن۔ عنایت اللہ مشرقی۔ ہلال کریسنٹ برقی پریس۔ لاہور۔ سنہ۱۳۷۴ھ ص ۴۰۵
حفظ القرآن۔ محمد اشرف علی تھانوی۔ محمد عثمان۔ مالک کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں سنہ۱۳۴۳ھ

حفظ القرآن۔ محمد الدین۔ مطبع اسلامیات۔ لاہور۔ سنہ۱۳۳۶ھ ص ۱۱۸
حقائق القرآن۔ انتظام اللہ شہابی۔ مرتضائی پریس آگرہ۔ سنہ۱۹۵۷ء۔ ص ۹۶
حلاوت الایمان بتلاوۃ القرآن۔ محمد ابراہیم میر۔ طبع اول۔ ثنائی امرتسر سنہ۱۹۴۸ء ص ۴۶۔
خدمتِ قرآن کی نئی راہ آئینۂ تفسیر سورہ فاتحہ۔ عبدالحمید صدیقی۔ عالمی ادارہ اشاعتِ علوم اسلامیہ سنہ۱۹۲۷ء۔ ص ۳۲

خطیب قرآن (نبی آخر الزماں) مرتضیٰ حسین۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۴۷۹

خلاصہ تعلیم قرآن بترتیب تنزیل۔ انڈین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز۔ دہلی سنہ۱۹۷۶ء ص ۳۸

خواص القرآن۔ غلام شبیر۔ مطبع نظامی۔ بدایوں
خیر القرآن۔ حکیم محمد کبیر الدین۔ مجمع المطابع۔ دہلی (بدون تاریخ) ص ۲۰۰

خیر کثیر۔ شاہ ولی اللہ (مترجم عابد الرحمٰن صدیقی) قرآن محل۔ کراچی (ب۔ت) ص ۳۶۱
داعیانِ اتحادِ اسلامی اور قرآنی زبان۔ محمد حسن اعظمی الازہری۔ الازہر پرنٹرس۔ کراچی۔ ۱۹۴۹ء ص ۲۶۸
درسِ قرآن۔ محمد ظفیر الدین۔ دیوبند (بدون تاریخ)
درسِ قرآن۔ احتشام اللہ شہابی۔ مرتضائی پریس آگرہ۔ ۱۹۴۰ء ص ۸۰
درسِ قرآن (قرآن کیا سکھاتا ہے) عبد الرحیم حقی کریم۔ جامعہ اشاعتِ قرآن۔ بھیرہ۔ ۱۹۷۹ء ص ۲۰۰
درسِ قرآن۔ عبد القدیر۔ ابو العلائی پریس آگرہ (بدون تاریخ) ص ۱۰۹
درسِ قرآن۔ شعبۂ تصنیف و تالیف۔ مکتبۃ الحسنات۔ رامپور۔ ۱۹۷۹ء ص ۱۴۴
درسِ قرآن فی معارف قرآن۔ انعام اللہ خاں اکبر۔ ۱۹۲۴ء۔ تین جلدیں ص ۳۲ فی جلد
دروس القرآن۔ امام الدین الٰہی۔ آگرہ اخبار پریس۔ آگرہ ۔۲۶-۱۹۲۵ (دو جلدیں)
درس القرآن۔ احمد یار۔ مکتبۃ الحبیب۔ الہ آباد۔ ۱۹۷۷ء ص ۲۱۶
دستورِ زندگی قرآن کی روشنی میں اسلامی فلسفۂ اخلاق۔ دار التصنیف جامعہ عالیہ صدیقہ۔ سیالکوٹ۔ ۱۹۶۷ء ص ۱۵۲
دعوتِ عمل (قرآن کی روشنی میں دستورِ عمل) محمد عبد الحامد۔ اعظم اسٹیم پریس۔ حیدرآباد دکن ۱۳۵۲ھ ص ۴۹
دینی دعوت کے قرآنی اصول۔ قاری محمد طیب۔ مجلس معارف القرآن۔ دار العلوم دیوبند۔ ۱۹۶۷ء ص ۱۳۲
ذکری۔ خواجہ عبد الحیٔ۔ بار دوم۔ تعمیر پرنٹنگ پریس۔ راولپنڈی۔ ۱۹۵۲ء ص ۲۸
راہ اور روشنی۔ کرار حسین۔ اسلامک ریسرچ خراسان۔ کراچی۔ ۱۹۷۹ء۔ ص ۵۵
رحمانی قرآن۔ حفیظ عبد الرحمٰن۔ لاہور۔ ۱۹۶۳ء۔ ص ۸۸
روحِ قرآن۔ ابو الاعلیٰ مودودی و ابو الکلام آزاد۔ عنایت اللہ خان۔ اعظم پورہ۔ حیدرآباد دکن۔ ۱۹۴۷ء۔ ص ۴۰

روح القرآن۔ محمد ظفر۔ مطبع قیصر ہند۔ دہلی۔ ۱۹۲۴ء۔ ص ۲۸۰

روح القرآن۔ ونوبا بھاوے (مترجم دیش پانڈے) اکھل بھارت سرسیوا سنگھ پرکاش
بارانسی۔ ۱۹۶۳ء۔ ص ۳۸۴

روح قرآن یا اصل اسلام۔ عبداللہ یسین حسنی۔ حسن لائبریری۔ حیدرآباد ۱۹۵۶ء چار جلدیں

ریاض القرآن۔ عزیز الدین۔ رفاہِ عام پریس آگرہ ۱۹۱۹ء

رہنمائے انسانیت (قرآن کریم) صفوۃ الرحمٰن صابر۔ ادارہ الحق۔ حیدرآباد دکن (ب ت)
ص ۲۲۹

رہنمائے قرآن۔ نظامت جنگ بہادر (مترجم میر ولی) مکتبہ برہان۔ دہلی۔ ۱۹۵۱ء ص ۶۸

زادالآخرہ (قرآن کی روشنی میں) عبدالسلام نولکشور (بدون تاریخ)

شان قرآن (فرید وجدی کے رسالۃ القرآن کا ترجمہ) عبدالحلیم۔ جید برقی پریس۔ دہلی ۱۹۲۳ء ص ۸۸

شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن۔ احمد یار خان (از ہر بکڈپو۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۹۶

شجاع قرآن۔ میاں محمود علی۔ نقوش پریس۔ لاہور۔ بار اول ۱۹۵۶ء ص ۳۷

ضرورت القرآن۔ زاہد الحسینی۔ دارالاشاعت شمس آباد (بدون تاریخ) ص ۷۲

عروج و زوال کا قرآنی دستور۔ ابوالکلام آزاد۔ بزم شہادت لاہور ۱۹۶۴ء ص ۲۱۵۔

عظمت قرآن کریم۔ محمد یونس۔ طبع سوم۔ ادارہ تحقیقات اسلامی۔ پاکستان ۱۹۸۷ء ص ۱۵۳

عمدۃ القرآن مجمع العلوم لکھنؤ ۱۸۷۳ء۔ ص ۶۶۔

عنایت رحمانی شرح شاطبیہ۔ فتح محمد قاری۔ انجمن پریس۔ کراچی ۱۹۵۷ء۔ (تین جلدیں)

عملی تعلیم قرآن۔ نظامت جنگ۔ انجمن علم و عمل۔ حیدرآباد دکن ۱۳۶۳ھ ص ۵۶

غلبۂ قرآن۔ صدر الدین۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور۔ ۱۹۵۵ء ص ۴۰

الفوائد العظیم (قرآن کریم) ثناء اللہ امرتسری۔ دفتر اہل حدیث امرتسر

الفوز العظیم۔ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی۔ اعظم گڑھ۔ ۱۹۶۸ء۔ ص ۸۲

فیصلہ قرآن۔ عبدالوحید۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۴۰

فیض الرحمٰن فی آداب القرآن۔ غلام محمد غوث۔ میو پریس دہلی۔ ۱۲۹۹ھ

فیض القرآن۔ شمس الدین فیض میرٹھ ۱۳۶۷ھ۔ ص ۹۵

فیض المنان فی معارف القرآن۔ شیخ غلام حیدر۔ سرگودھا۔ پنجاب۔ ۱۹۳۶ء ص ۱۱۲

فیوض القرآن۔ عبدالصمد فاروقی۔ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی ۱۳۹۳ھ (تین جلدیں)

فیوض القرآن۔ سید حامد حسین بلگرامی۔ حیدرآباد ۱۹۷۰ء (تین جلدیں)

قرآن آموز۔ نذیر الدین۔ رسالہ نگار۔ لکھنؤ۔ مئی ۱۹۳۵ء۔ ص ۲۸

قرآن اور اس کی تعلیمات۔ عبدالقیوم ندوی۔ لکھنؤ۔ ۱۹۵۳ء۔ ص ۲۵۶

قرآن اور امنِ عالم۔ اسرار احمد۔ طبع دوم۔ مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور۔ ۱۹۷۵ء۔ ص ۲۰

القرآن۔ منظور حسن بہاری۔ قیصر ہند۔ دہلی۔ ۱۳۴۵ھ۔ ص ۲۸۰

قرآن آپ سے کیا چاہتا ہے؟ محمد منظور۔ مکتبہ اصلاح تبلیغ۔ ۱۹۷۸ء۔ ص ۲۴۱

قرآن اور انسانیت۔ الاحسانی کرمی۔ مکتبہ علم و ادب۔ دیوبند (بدون تاریخ) ص ۵۸

قرآن اور تعمیر اخلاق۔ سمیع الحق۔ مکتبہ دار العلوم حقانیہ۔ پشاور (بدون تاریخ) ص ۲۲۴

قرآن اور توبہ۔ خضری عالم۔ اسلامی ادب و ثقافت۔ لاہور۔ ۱۹۷۸ء۔ ص ۱۳۶

قرآن اور تعمیر سیرت۔ میر ولی الدین۔ ندوۃ المصنفین۔ دہلی۔ ۱۹۶۴ء۔ ص ۳۵۱

قرآن اور دعوتِ انقلاب۔ سید قطب شہید (مترجم عبدالعزیز) فردوس پبلیکیشنز ۱۹۸۰ء
ص ۴۲

قرآن اور زندگی۔ سید کرار حسین۔ خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر۔ کراچی ۱۹۷۹ء۔ ص ۴۴

قرآن روشنی ہے۔ حکیم محمد سعید۔ ہمدرد اکیڈمی۔ کراچی ۱۹۷۴ء۔ ص ۸۰

قرآن اور سیرت سازی۔ میر ولی الدین۔ ادارہ اشاعت اسلامیات۔ حیدرآباد دکن۔
۱۹۴۱ء۔ ص ۲۷۱

قرآن اور علاج خوف۔ ولی الدین۔ معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۳

قرآن اور علاجِ غضب۔ ولی الدین۔ معارف اعظم گڑھ۔ ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۳

قرآن اور ماضی، حال اور مستقبل۔ سید مشتاق علی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۴ء۔ ص ۳۳

قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل۔ برہان احمد فاروقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور

۱۹۸۹ء۔ ص ۳۲۸

قرآن حکیم اور ہماری زندگی۔ سردار علی صابری۔ شعبۂ مطبوعات تحفظِ پاکستان سوسائٹی۔ کراچی ۱۹۸۴ء ص ۱۹۲۔

قرآنِ پاک۔ عبدالواحد جامعی۔ جامعہ ملیہ۔ دہلی ۱۹۳۶ء۔ ص ۱۹۴

قرآن حیاتِ انسانی کا بہترین دستورِ عمل۔ محمد حسام الدین غوری۔ دارالادب، پاکستان۔ کراچی۔ ۱۹۵۳ء۔ ص ۳۲

قرآن حکیم اور ہماری زندگی۔ قرآن و سیرت سوسائٹی۔ حیدرآباد ۱۹۷۰ء۔ ص ۱۲۴

قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی۔ تنزیل الرحمن۔ صدیقی ٹرسٹ۔ کراچی ۱۹۷۱ء۔ ص ۲۰۸

قرآنِ حکیم اور صراطِ مستقیم۔ محمد مشتاق۔ لاہور ۱۹۷۸ء۔ ص ۳۲

قرآن حکیم کی روشنی میں اسلام اور اسلامی اصول کی اہمیت۔ فروغ علی۔ محمد علی لین۔ لکھنؤ ۱۹۵۱ء ص ۲۸

قران خدا کا کلام ہے۔ محمد فاروق خاں

قرآن کا مطلوب انسان۔ وحید الدین خان۔ مکتبہ الرسالہ۔ دہلی ۱۹۷۹ء۔ ص ۷۹

قرآن کلام اللہ ہے۔ عتبی اعظم اسٹیم پریس (بدون تاریخ) ص ۱۶

قرآن کا قانون عروج و زوال ابوالکلام آزاد۔ مکتبہ عرفان لاہور (بدون تاریخ) ص ۲۰۸

قرآن سے مسلمانوں کی بے حسی کیوں؟ محمد زکی الدین قاسم (مترجم عبدالستار) باراول۔ دارالزکی ناگپور ۱۹۸۶ء (دو جلدیں)

القرآن العظیم۔ ثناء اللہ امرتسری۔ دفتر اہل حدیث۔ امرتسر۔

قرآن کی روشنی۔ فدا حسین۔ مکتبہ قرآن۔ اٹاوہ۔ ۱۹۶۸ء۔ ص ۱۸۴

قرآنِ کریم اور تعمیر اخلاق۔ سمیع الحق۔ مکتبہ الحق دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک ۱۹۷۴ء ص ۹۶

قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی۔ ریڈیو پاکستان ۱۹۷۰ء (دو جلدیں)

قرآنِ حکیم کے دس اسباق۔ عبدالمبین منظر۔ باراول۔ لکھنؤ ۱۹۶۹ء۔ ص ۶۴

قرآن کی آیتیں اور کام کی باتیں۔ شمس الدین۔ کواپریٹو پریس (ب ت) ص ۱۵۶

قرآن کی روشنی میں اسلام کی خصوصیات ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۱ء ۔ ص ۲۸

قرآن کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی معاملت مسلمانوں کے ساتھ ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۱ء ۔ ص ۱۲

قرآن کی روشنی میں ایمان کی اہمیت اور پہچان ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۱ء ص ۳۲

قرآن کی روشنی میں تبلیغ اور دنیا کی راہنمائی ۔ فروغ ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۱ء ۔ ص ۲۰

قرآن کی روشنی میں ذات باری تعالیٰ کا تصور و تعلق ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۰ء ۔ ص ۳۲

قرآن کی روشنی میں رسول کا مرتبہ و منصب ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۰ء ص ۳۲

قرآن کی روشنی میں قرآن کی اہمیت ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۰ء ۔ ص ۳۲

قرآن کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے خاص ہدایات ربانی ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۱ء ۔ ص ۹۴

قرآن کی روشنی میں مسلمانوں کے وجود مقصد اور منصب ۔ فروغ علی ۔ محمد علی لین ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۱ء ص ۱۲

قرآن کی معاشی تعلیمات ۔ ابو الاعلیٰ مودودیؒ ۔ اسلامی پبلیکیشنز ۔ لاہور ۔ ۱۹۶۹ء ص ۷۰

قرآن کے رہنما اصول ۔ محمد علی بیگ برلاس ۔ مسلم ویلفیر سوسائٹی ۔ کراچی (ب ت) ص ۲۹

قرآن کے سبق ۔ خواجہ حسن نظامی ۔ نظام المشائخ ۔ دہلی ۔ ۱۹۲۴ء ۔

قرآن کے معارف ۔ ضیاء الاسلام ۔ مرتضائی پریس ۔ آگرہ ۔ ۱۹۲۰ء ۔ ص ۱۱۲

قرآن کیا سکھاتا ہے ۔ عبد اللہ سلیم ۔ مکتبہ علم و ادب ۔ دیو بند ۔ ۱۹۶۳ء ۔ ص ۱۲۸

قرآن مجید اسلامی فکر کا بنیادی سرچشمہ ۔ رشید احمد ۔ جامعہ بلوچستان ۔ کوئٹہ (ب ت) ص ۱۳۶

قرآن مجید اور مروجہ اسلام ۔ کرم بخش ۔ ادارہ فکر اسلامی ۔ کراچی ۔ ۱۹۸۰ء ۔ ص ۳۶۴

قرآن مجید کی پہلی کتاب ۔ عبد السلام قدوائی ۔ مکتبہ تعلیمات اسلام ۔ لکھنؤ (ب ت) ص ۱۰۱

قرآن مجید کی دوسری کتاب ۔ عبد السلام قدوائی ۔ مکتبہ تعلیمات اسلام ۔ لکھنؤ ۔ ۱۹۵۲ء ص ۱۴۲

قرآن مجید کی روشنی میں شرک کی نوعیت کا خاکہ۔ محمد اشرف (مترجم صدر الدین غالب عباسی)
لاہور۔ ۱۹۵۲ء۔ ص ۸۲

قرآن بنام المعروف بہ پیغام حق) شفیع ابو مسلم۔ اشاعت گھر۔ کراچی۔ ۱۹۷۵ء ص ۱۶۰
قرآن میں نظام زکوٰۃ۔ محمد شفیع۔ ادارۃ المعارف۔ کراچی۔ ۱۹۶۳ء۔ ص ۱۱۵
قرآنی اخلاق۔ شاہ محمد عبدالصمد۔ غلام علی اینڈ سنز۔ کراچی۔ (بدون تاریخ) ص ۱۱۶
قرآنی اخلاق۔ عبدالصارم الازہری۔ کتاب منزل۔ لاہور۔ ۱۹۵۲ء۔ ص ۱۱۲
قرآنی پند نامہ۔ حفیظ الرحمٰن واصف۔ نعمانی پریس۔ لاہور۔ ۱۹۵۱ء۔ ص ۳۵۴
قرآنی تعلیمات۔ یوسف اصلاحی۔ مکتبہ ذکریٰ۔ رامپور۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۴۸۷
قرآنی تعلیمات۔ سلیم عبداللہ۔ اردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی (ب ت) ص ۱۲۸
قرآنی تقریریں۔ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ مکتبہ فریدیہ۔ ساہیوال۔ ۱۹۷۴ء۔ ص ۲۶۴
قرآنی دستور انقلاب۔ عبیداللہ ۱۹۴۶ء
قرآنی دستور حیات۔ یحییٰ امام خاں نوشہروی۔ کتاب منزل۔ لاہور ۱۹۵۴ء۔ ص ۳۰۸
قرآنی دعوت انقلاب۔ محمد علی۔ عالمگیر پریس۔ لاہور۔ ۱۹۵۱ء۔ ص ۳۵۴۔
قرآنی سبق۔ شاہ محمد جعفر ندوی۔ دارالاشاعت۔ پنجاب۔ ۱۹۵۷ء۔ ص ۸۸
قرآنی شمعیں۔ محمد صادق سیالکوٹی۔ دہلی۔ ۱۹۸۲ء۔ ص ۱۷۶
قرآنی قاعدہ۔ محمد رحیم الدین۔ اکادمی ادبیات و دینیات
قرآنی معلومات۔ نذیر احمد۔ پاک اکیڈمی۔ آرام باغ۔ کراچی (ب ت) ص ۹۴
قرآنی نصیحتیں۔ محمد حسین خاں۔ گلشن اسٹیم پریس۔ جالندھر۔ ۱۳۵۷ھ ص ۱۲۸
قواعد ترجمہ قرآن (درس قرآن) قاضی زاہد الحسینی۔ دار التبلیغ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک

پشاور۔ ۱۹۵۵ء ص ۹۶

القول الفرقان۔ محمد علی۔ دفتر جمیعت۔ دعوت و تبلیغ۔ پونا۔ ۱۹۲۳ء۔ ص ۱۲۶
کامیاب زندگی کا قرآنی تصور۔ ولی الدین۔ انتظامی پریس۔ حیدر آباد۔ ۱۹۴۳ء ص ۲۵۔
کتاب الہدیٰ۔ یعقوب حسین۔ یعقوب حسن مدارس۔ ۱۳۴۵ھ (تین جلدیں)

الکتاب۔ اسرار احمد۔ ٹیلی ویژن کارپوریشن۔ پاکستان۔ سنہ ۱۹۸۰ء۔ ص ۱۴۸

کتاب الاخلاق۔ محمد یٰسین۔ کراچی۔ (بدون تاریخ) ص ۱۷۶

کتاب زندگی۔ نصیر احمد ناصر۔ فیروز سنز۔ لاہور۔ (بدون تاریخ) ص ۱۸۹

الکلام المبین فی آیات رحمت العالمین۔ عنایت احمد۔ سنہ ۱۳۶۲ھ۔

کنوز القرآن۔ مظہر الدین احمد بلگرامی۔ مکتبہ برہان۔ دہلی۔ بار اول۔ سنہ ۱۹۶۱ء۔ ص ۱۲۳

گلشن ایمان معروف بہ باغ قرآن۔ عبد القدوس وفا۔ ہیرالال پریس۔ جے پور۔ سنہ ۱۳۳۲ھ
ص ۸۴

لمعات القرآن۔ محمد حنیف۔ نیو کمرشیل آرٹ پریس۔ کلکتہ۔ سنہ ۱۹۵۴ء۔ ص ۲۴۲

لیلۃ القدر۔ ابو الکلام آزاد۔ مطبع ملیہ۔ علی گڑھ۔ سنہ ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۲

لیلۃ القدر۔ امیر احمد۔ امیر المطابع۔ حیدرآباد دکن۔ سنہ ۱۳۳۴ھ

لہب النیران لاحراق محرق القرآن۔ السید فضل علی۔ مجمع البحرین۔ لدھیانہ۔ سنہ ۱۲۸۰ھ۔ ص ۲۷۷

مجموعہ وجوب التقلید بالقرآن المجید۔ وزیر الدین دہلوی۔ حامیٔ اسلام۔ بمبئی۔

مرادآباد جیل میں درس قرآن کی سات مجلسیں سورہ فاتحہ سے متعلق اشارات۔ سید حسین احمد مدنی۔ الجمعیت بکڈپو۔ دہلی۔ سنہ ۱۹۴۹ء۔ ص ۱۷۲

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق۔ اسرار احمد۔ مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور۔ سنہ ۱۹۷۹ء
ص ۸۰

مشیت ایزدی اور قرآنی تعلیمات۔ یوسف خاں چشتی بریلوی۔ آرٹس پریس۔ لاہور۔ سنہ ۱۹۳۶ء
ص ۵۴

مروج معاشرے میں ہمارا کردار (قرآن کریم کی روشنی میں) عزیز احمد۔ ادارہ لغات القرآن راولپنڈی۔ سنہ ۱۹۷۵ء۔ ص ۱۴۳

مطالب القرآن۔ غلام محمد واصف مہدی۔ حیدرآباد دکن (ب ت) ص ۳۸۱

مطالب القرآن۔ نذیر احمد۔ شمس پریس۔ دہلی۔ (بدون تاریخ) ص ۱۴۰

مطالعۂ قرآن حکیم۔ خواجہ عبد الرحمٰن۔ تاج کمپنی۔ دہلی۔ سنہ ۱۹۸۶ء۔ ص ۳۴۴

مطالعۂ قرآن کا منتخب نصاب۔ اسرار احمد۔ مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۴۰
مظاہرۂ قرآن۔ سید مقبول احمد۔ عباس منزل لائبریری۔ الٰہ آباد (بدون تاریخ) ص ۳۳۶۔
معراج انسانیت (قرآن کی روشنی میں) غلام احمد پرویز۔ ادارہ طلوعِ اسلام۔ لاہور۔ ۱۹۷۶ء۔ ص ۲۶۴

معالم القرآن۔ رضا محی الدین۔ عبدالحمید۔ ہمدرد برقی پریس۔ بنگلور ۱۹۷۹ء۔ ص ۲۸۸
معلم القرآن۔ محفوظ الرحمٰن۔ لکھنؤ (بدون تاریخ) ص ۷۷/۴
معین القرآن۔ انتظامی پریس۔ کانپور
نور القرآن۔ ملا احمد حقی کراچی (بدون تاریخ) ص ۸۰۰
وہ ذہن جس کی تعمیر قرآن کرتا ہے۔ سید عبداللطیف۔ اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز۔ حیدرآباد دکن (بدون تاریخ) ص ۲۰۸

ہدایت القرآن۔ عبدالجلیل قاسمی۔ مدینہ برقی۔ مدراس (ب ت) ص ۴۸۔
ہدایت القرآن۔ قاضی محی الدین احمد۔ محبوب شاہی پریس۔ حیدرآباد دکن (ب ت) ص ۴۱
ہمارا کردار قرآن کی روشنی میں۔ شاہ عبدالقیوم۔ اسلامی مشن۔ لاہور۔ (ب ت) ص ۸۰
یاایہا الناس (عالم انسانیت کے چند پیغامات ربانی) ابوسلم محمد عبدالحیٔ۔ مکتبۃ الحسنات۔ رامپور ۱۹۷۸ء ص ۹۶

یسرنا القرآن۔ محمد سلیمان۔ مکتبہ فیض۔ امرتسر ۱۹۲۶ء۔ ص ۸۴
یورپ اور قرآن چراغ علی۔ وکیل ٹریڈنگ کمپنی۔ امرتسر ۱۹۱۰ء۔ ص ۴۰
نسخۂ کیمیا۔ یوسف خاں۔ تاج کمپنی۔ لاہور ۱۹۴۵ء۔ ص ۲۵۹
نصرت القرآن۔ عبدالمجید۔ بمبئی۔ ۱۳۷۲ھ ص ۳۳۶
نصرت القرآن فی الذب عن آیات الرحمٰن۔ عبدالمجید ارشد۔ مشہور آفسیٹ پریس کراچی۔ ۱۳۷۲ھ

نورستان: قرآن حکیم اور ہماری زندگی۔ طبع دوم۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی ۱۹۸۴ء ص ۴۴
نور القرآن۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ بکڈپو تالیف و اشاعت۔ قادیان۔ ۱۹۲۵ء (دو جلدیں)

تعارف و تبصرہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی قرآنی فکر کا مطالعہ

تصنیف: محمد مسعود عالم قاسمی

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

سنہ اشاعت: ۱۹۹۳ء، صفحات: ۱۷۸، قیمت: ۴۰ روپے

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تاریخ اسلام کی ان منفرد شخصیات میں سے ہیں جن کے علم و فضل اور خدمات جلیلہ سے عہد متاخر کی یہ تاریخ منور ہے اور صرف اسی حد تک نہیں کہ انھوں نے صرف اپنے عہد اور اپنے قرن کو اپنی علمی خدمات سے روشن کیا بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلامی تعلیمات کے آفاقی کردار کو بعد کی نسلوں کے لئے اس طرح پیش کیا ہے کہ اس کی آفاقیت اہل نظر کے سامنے ایک منطقی شکل میں واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔ یوں تو شاہ صاحب کی علمی خدمات کا دائرہ انتہائی وسیع ہے اور اس میں تمام علوم اسلامی اور علوم معاشرت شامل ہیں لیکن ان کی تمام علمی کاوشوں کا محرک اصلی اور مرکز ثقل کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جن کی تعلیمات میں انھوں نے فطرت انسانی اور حیات و کائنات کے اعلیٰ ترین اصولوں کا نہایت وسعت اور گہرائی کے ساتھ ادراک کیا اور ان کو نہایت سلیس اور شگفتہ انداز میں آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تحریروں میں منتقل کر دیا ہے۔ احیائے سنت اور تعلیم حدیث کے میدان میں شاہ ولی اللہؒ کی گراں قدر خدمات سے علمی دنیا میں کون واقف نہیں۔ آج برصغیر کے مدارس میں علم حدیث کو جو کلیدی اہمیت حاصل ہے بلا شبہ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادے کی مساعئ مشکورہ سے ان کا گہرا تعلق ہے۔ تاہم قرآن مجید کے باب میں عام طور پر علمی دنیا میں اس سے زیادہ جاننے والے

خال خال ہی ملتے ہیں کہ قرآن کریم کا ہندوستان میں پہلا فارسی ترجمہ شاہ صاحب نے کیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی محض عدم واقفیت کی وجہ سے ہے کیونکہ شاہ صاحبؒ سے پہلے متعدد تراجم قرآن فارسی زبان میں ہو چکے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ قرآن "فتح الرحمٰن" کے علاوہ، اصولِ تفسیر میں ان کی مختصر اور جامع کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بھی عام طور پر مشہور و متداول ہے۔ لیکن اس سے آگے شاہ صاحب کی خدمات کی اہمیت کو جاننے اور سمجھنے والے بہت کم ہیں۔

مولانا مسعود عالم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ" میں نہ صرف شاہ صاحب کی قرآنی خدمات کو سیاق و سباق کی روشنی میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے بلکہ شاہ صاحب کے آفاقی فکر کے قرآنی ماخذ کی نشان دہی بھی بڑی حد تک کر دی ہے۔ ساتھ ہی فاضلانہ تحلیل و تجزیے اور نقد و تبصرے سے شاہ صاحب کے فکری غوامض کی عقدہ کشائی بھی کی ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک قیمتی اضافہ ہے اور اس نے ولی اللہی فکر کے قرآنی پہلو پر ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے۔ یہ کتاب صرف شاہ ولی اللہؒ کی فکر اور ان کی گوناگوں مساعی کو سمجھنے کے لئے ہی نہیں بلکہ خود قرآن کی تفہیم کے لئے بھی ایک اہم تصنیف ہے۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے شاہ صاحب کے قرآنی فکر کو وسیع ترین تناظر میں پیش کیا ہے اور اس میں اولاً ان تمام فارسی تفاسیر اور تراجم قرآنی کا خاصا مبسوط تعارف کرایا ہے جو شاہ ولی اللہؒ کے سے پہلے ہند اور بیرونِ ہند میں دستیاب یا موجود اور معلوم تھے، اس کاوش سے یہ مشہور عام غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ شاہ ولی اللہؒ پہلے یا دوسرے شخص ہیں جنھوں نے کلام اللہ کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کیا ہے (ص ۱۰۷) اسی طرح تحقیقی لحاظ سے مصنف نے بڑی کاوش سے ایک اور تاریخی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے اور وہ یہ کہ اس ترجمۂ قرآن کی اشاعت کی وجہ سے اس عہد کے علماء نے شاہ صاحب کی سخت مخالفت کی یہاں تک کہ ان پر قاتلانہ حملے کئے گئے (ص ۱۰۷-۱۰۴)۔ تاہم یہاں مضمون میں ایک گونہ تشنگی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ مصنف نے ازالۂ غلط فہمی کے بعد یہ معلوم کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی کہ اس غلط فہمی کے آغاز واشاعت کے پیچھے کیا اسباب کار فرما تھے اور اس کہانی کو گھڑنے کی ضرورت کیوں پڑی۔ مصنف

نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ دیگر اسلامی علوم ـــــــ حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، کلام، سیرت وغیرہ میں شاہ صاحبؒ کے علمی کارناموں کو اختصار کے ساتھ پیش کر دیا جائے تاکہ شاہ صاحب کی جملہ علمی خصوصیات کا ایک خاکہ سامنے آجائے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کے ان علمی خصائص کو سمجھے بغیر قرآنی علوم میں ان کے طرز فکر اور طرز استنباط کی خوبیوں اور امتیازات کو پورے طور پر محسوس کرنا مشکل ہے۔

اس سے بھی زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ مصنف نے شاہ صاحب کے علوم کے اجمالی تعارف تک اپنے کو محدود نہیں رکھا ہے بلکہ شاہ صاحبؒ کی مجموعی فکر کی امتیازی اور مشترک خصوصیات پر ضروری حد تک بحث کر کے ان کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے مثلاً شاہ صاحبؒ کی ایک ممتاز ترین خصوصیت ان کا تطبیقی فکر ہے جس کے تحت وہ مختلف علمی موضوعات کے ان پہلوؤں پر گہری نظر ڈالتے ہیں جن میں نظریاتی لحاظ سے باہمی تناقض محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً تصوف کے دائرے میں نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود جن کو عام طور پر آپس میں متناقض سمجھا جاتا ہے اور اسی بنا پر دونوں نظریات کے حامیوں کے درمیان زبردست کش مکش اور اختلاف پایا جاتا ہے۔

تیسری خصوصیت مصنف کا وہ نقد و تبصرہ ہے جو شاید اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے اور جس کے تحت مصنف نے شاہ صاحب کے جملہ علوم اور بالخصوص قرآنی فکر میں گویا از سرِ نو جان ڈال دی ہے اور غور و فکر کا میدان اور بھی وسیع کر دیا ہے چنانچہ یہی وہ میدان بھی ہے جہاں مصنف کے اپنے طرز فکر اور انفرادیت کو ابھرنے کا پورا موقع ملا ہے اور کہیں کہیں اپنے علمی جوش میں بعض ایسی باتیں کہہ گئے ہیں جن میں واضح تضاد کی کیفیت نظر آتی ہے۔ مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب کے متصوفانہ فکر پر نقد کرتے ہوئے مصنف اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شاہ صاحب اصلاً تصوف کے شدید مخالف تھے اور انھوں نے عملی اور علمی تصوف کو صرف حالات کے اقتضاء اور بر بنائے مصلحت اختیار کیا تھا (ص ۵)، جب کہ اس کے ساتھ ہی اس میدان میں مصنف نے شاہ صاحب کی گیارہ کتابوں اور رسالوں کی فہرست دی ہے نیز اس حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ وہ نقشبندیہ سلسلہ سے خصوصیت رکھتے تھے اور بایں ہمہ بقیہ سلاسل طریقت سے بھی توسل رکھتے تھے نیز شریعت کو وہ

تمام تر احسان اور تزکیۂ باطن کے مساوی سمجھتے تھے۔ شاید مصنف نے اس پہلو سے غور نہیں کیا کہ علمی معنی میں اس طرح کی مصلحت کیشی پورے کردار کو داغ دار کر سکتی ہے۔ خوبصورت الفاظ کا ملمع اتار کر اگر یہی بات کہی جائے تو اسے ریاکاری کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ ریا اور نمائش کے لئے ضروری نہیں کہ وہ خود ذاتی کے لئے ہو، وہ فلاحی بھی ہو سکتی ہے لیکن حقیقت اس کی دکھاوا اور ریا ہی رہے گی۔ یہ ساری کاوش بظاہر مصنف نے اس لئے کی ہے کہ شاہ محدث دہلویؒ کو حقیقی تصوف کے "الزام" سے بچالیں!

اس کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ یہ درحقیقت شاہ ولی اللہ کے تطبیقی فکر کو ہندوستانی مسلمانوں کے علمی اور سیاسی انتشار سے ابھرنے والے ایک وقتی مقتضا کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش ہے اور اس طرح شاہ صاحبؒ کا آفاقی اور اسلامی پہلو حد درجہ محدود اور محض عبوری ہو جاتا ہے۔ ان کے مطابق امام غزالیؒ نے تو یہ تطبیق محض شریعت اور طریقت کے درمیان ہی کی تھی لیکن شاہ ولی اللہؒ نے اس کو تمام علوم اسلامی تک وسیع کر دیا (ص ۸۲-۱۸۱)۔ یہاں اول تو یہ علمی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ صرف وقتی مقتضا کے تحت تھا تو اس کا کیا مطلب ہوگا کہ خود مصنف کے بقول امام غزالیؒ کے تطبیقی عمل کی طرح شاہ صاحب کے یہاں یہ عمل تمام علوم اسلامی تک وسیع ہو گیا؟ اس باب میں بحث کی کمی کھٹکتی ہے۔ اسلامی اور قرآنی حدود میں علمی مسائل اور عملی معاملات میں تطبیق ہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعہ علمی اور عملی نصب العین کا اتحاد ممکن ہے، اسی لئے شاہ صاحب کے اس تطبیقی فکر کو اگر توحیدی فکر کہا جائے تو بجا ہے۔ بلاشبہ شاہ ولی اللہؒ وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے تطبیقی فکر کی آفاقی اور اسلامی اہمیت کو بھرپور طور پر محسوس کیا اور قرآنی، فقہی، کلامی اور متصوفانہ دائروں میں پائے جانے والے اضافی یا ظاہری تناقض کو نظر انداز کر کے حقیقی اتحاد کو اپنے تطبیقی فکر سے ہموار کیا مثلاً وجودی اور شہودی نقطہ نظر کا ظاہری اختلاف یا تضاد ان کے شارحین اور متبعین کی مشرب پسندی اور رموز پروری کی پیداوار زیادہ ہے۔ شاہ صاحب نے ان تمام خارجی عوامل کو نظر انداز کر کے وجودی اور شہودی نظریوں کے مشترک پہلوؤں کو نمایاں کر دیا جس سے تخالف اور تناقض کی ظاہری کیفیت تقریباً ختم ہو گئی۔

شاہ صاحب کا یہ تطبیقی فکر درحقیقت ان کے تمام علمی کارناموں کی جان ہے مثلاً علم کلام

جو تاریخی اعتبار سے بیشتر مسلکی فرقہ واریت کو مستحکم کرنے اور بڑھانے کا ذریعہ بنا تھا، شاہ صاحب کے یہاں بالکل ایک نیا رخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے ذریعہ وہ نہ صرف عقائد کو ایک منطقی اور اصولی فلسفہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں بلکہ احکام الٰہی اور فرامینِ رسالت کی حکمتوں کو اس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں کہ جس سے ایمان میں تازگی اور فکر میں استحکام پیدا ہوتا ہے پھر اسی علم کلام سے وہ تاریخ معاشرت، اقتصاد اور سیاست میں اس طرح کام لیتے ہیں کہ نہ صرف ہندی مسلمانوں کی زبوں حالی بلکہ پورے تاریخ اسلام کے عروج و زوال کے منطقی اسباب بہت کچھ نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں شاہ صاحبؒ وہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے علم کلام کی اہمیت کو نہ صرف عقائد بلکہ احکام شریعت اور ملی روابط کے نقطۂ نظر سے دیکھا، اس کا محدود فرقہ پسندانہ دائرہ نظر انداز کر کے اسلامی زندگی کے ہر دائرے میں ایک نئی معنویت کے ساتھ اس کو برتا اور محوری عقلیت کو چھوڑ کر آفاقی عقلیت کا راستہ ہموار کیا۔ شاہ صاحبؒ کا یہی وہ آفاقی پہلو اور امتیازی وصف ہے جس کی بنا پر علامہ شبلیؒ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "شاہ صاحب کے زمانے میں علم کلام کا جو سرمایہ موجود تھا وہ صرف اشاعرہ کی تصنیفات تھیں لیکن ان کی ایجاد پسند طبیعت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ انھوں نے علم کلام کے مسائل بالکل نئے اصول کے مطابق ترتیب دئے۔" (ص ۷۰)

اسی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے ان کی تحریروں میں ہمہ گیری توازن، اعتدال، انصاف اور توحیدی فکر کو بھرپور طور پر نمایاں ہونے کا موقع فراہم ہوا اور ان کی نظر ہمیشہ معیشت، معاشرت سیاست، تاریخ، فقہ، کلام و تصوف وغیرہ میں مسلک اور مشرب کی تنگنائے سے نکل کر قرآنی فکر کی وسعتوں کا رخ کرتی ہے۔ شاہ صاحبؒ کی ایک غیر معمولی خصوصیت یہ بھی ہے کہ تطبیق کی علمی اور عقلی صورت گری کے دوران عملی پہلو کو بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتے مثلاً ناسخ و منسوخ آیات کی بحث میں شاہ صاحبؒ نے صرف پانچ آیات میں نسخ تسلیم کیا ہے جب کہ علامہ سیوطیؒ نے بیس آیات اور بعض کے ہاں پانچ سو تک یہ تعداد پہنچتی ہے۔ اس پر مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا تبصرہ بہت معنی خیز بھی ہے اور شاہ صاحبؒ کی عملی بصیرت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ "جس شخص نے ان پندرہ آیات کی تطبیق غور سے پڑھی ہے وہ باقی پانچ آیات میں بھی بڑی آسانی سے تطبیق دے سکتا ہے، شاہ صاحب کا اصل مقصود تو یہی ہے کہ قرآن مجید میں کوئی آیت سرے سے منسوخ نہیں ہے مگر وہ اس

بات کو مصلحت کی وجہ سے صراحۃً نہیں کہتے کیونکہ اس طرح ان کی بات معتزلہ کے قول کے مشابہ ہو جاتی اور تمام اہلِ علم اس پر غور کرنا چھوڑ دیتے ۔" (ص ۸۸)

چوتھے باب میں مصنف نے شاہ صاحبؒ کی قرآنی علوم پر تصانیف کا ایک مختصر تعارف پیش کیا ہے اور یہاں مبصرانہ سطح پر ایک اعلیٰ درجے کا علمی تجزیہ بھی پیش کیا اور اس ذیل میں الفوز الکبیر، فتح الخبیر، تاویل الاحادیث، زہراوین اور المقدمہ فی قوانین الترجمۃ پر الگ الگ لکھا ہے۔ تاویل الاحادیث قرآنی واقعات اور معجزات کی تاویل اور توضیح کے لئے لکھی گئی ہے۔ مثلاً جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ حکم الٰہی کے تحت دریا کو پار کرنے کا ارادہ کیا" تو اللہ نے دریا پر ایک طاقتور ہوا مسلط کی جس نے دریا کو دو نیم کر دیا" (ص ۹۵)۔ لیکن شاہ صاحب کی اس توجیہ کو مصنف قرآن کے بیانات اور شہادات سے ہم آہنگ نہیں پاتے، کیونکہ قرآن میں ہوا کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں (ص ۹۵) ہے۔ تاہم اس سے یہ تو واضح ہے کہ مصنف کو تاویل معجزات میں فی نفسہٖ کوئی تردد نہیں ہے اور وہ اس کی علمی ضرورت کے قائل ہیں۔ اس صورت میں قرآن کریم میں انفلاق بحر کے ساتھ کسی ہوا کا تذکرہ نہ ہونا شاہ صاحبؒ کی تاویل کو نہ غیر عقلی بناتا ہے اور نہ غیر مرغوب۔ جب کہ خود مصنف کے بقول "شاہ صاحب کے انداز بیان میں بھی معنویت ہے اور ان کے استدلال میں بھی وزن محسوس ہوتا ہے" (مقدمہ ص ۹)۔ کسی بات کی تاویل اور توجیہ میں عناصرِ قدرت کی حدود سے باہر نکلنا ممکن نہیں لہٰذا دریا کے پھٹ جانے میں اسباب کی حد تک اگر کوئی غیر مرئی چیز موثر ہو سکتی ہے تو وہ کوئی طاقت ور ہوا ہی ہو سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لئے دریا کو دو نیم کرنے کے واسطے اس وقت تک مسلط کیا تھا، جب تک وہ دریا کو پار نہ کر لیں۔ چنانچہ ان کے گزرتے ہی وہ طاقت ور ہوا وہاں سے ہٹالی گئی اور دریائی موجوں نے فرعون کے لشکر کو ڈھانک لیا۔ تاہم اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ مصنف نے شاہ صاحب کی علوم قرآن پر تصانیف کا یہ اجمالی تعارف گہرے مطالعے اور معنوی خوبیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے کرایا ہے۔

قرآن کریم بے شمار آیات میں بحر و بر اور انفس و آفاق میں تدبر اور غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور ظاہر ہے، معجزات بھی انھیں عناصر کی حدود میں رونما ہوتے ہیں۔ اگرچہ علما ءمحدثین تاویل معجزات کو بیشتر پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے اور ایک غیر ضروری تکلف سمجھتے ہیں لیکن

بایں ہمہ متعدد مشاہیر علما، مثلاً امام غزالیؒ، امام رازی وغیرہ نے اس موضوع پر قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں، جو یقیناً عوام سے زیادہ خواص کے لئے ہیں ــــــ شاہ ولی اللہؒ نے بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اس لئے کہ وہ بھی کما حقہ اس حقیقت سے غافل نہیں تھے کہ تدبر قرآن کے دوران جو علمی اور عقلی مشکلات پیش آتی ہیں ان میں معجزات کی تاویل اور عقلی توجیہ بھی ایک بڑی علمی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں ترجمانی سے لے کر اس کی کتابت واشاعت تک کی باریکیوں کا جس طرح خیال رکھا ہے (ص ۱۲۳)۔ اس کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآنی آیات وواقعات کے تدبر کے دوران، شاہ صاحب اس کے علمی اشکالات اور عقلی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے معجزات اور خرق عادت واقعات کو نہایت خوبی اور سادگی کے ساتھ قابلِ فہم بنانے کی کوشش کی ہے، ان کے نزدیک ان میں اسباب وعلل کا سلسلہ بالکلیہ ختم نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں غور وفکر اور تدبر کے ساتھ ان اسباب وعلل کو بھی سمجھا جا سکتا ہے، یعنی یہ انبیائی معجزات عادت انسانی کے ضمن میں ہی رونما ہوتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ یہ عادت کمزور ہوتی ہے اس کی مثال وہ اس طرح دیتے ہیں کہ ایک طبیب کسی مریض کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دیتا، کیونکہ وہ اس مرض کو مہلک نہیں سمجھتا، لیکن قضائے الٰہی ظاہر ہوتی ہے اور مریض اسی مرض میں مر جاتا ہے۔ مریض کی یہ موت اللہ کے حکم سے ہوئی مگر بظاہر اس کی موت کا سبب اس کا مرض بنا ہے گو طبیب کی نظر میں بظاہر یہ مرض ایسا نہیں ہے کہ اس سے موت واقع ہو جائے (ص ۹۳-۹۱)۔ شاہ صاحب کے نزدیک قرآن وسنت میں ایسے اشارات اور مضمرات ملتے ہیں جن کے ذریعہ ایک عارف دانش مند انسان اللہ کو پہچان سکتا ہے۔ ان کے نزدیک جب اللہ تعالیٰ تدبیر کے لئے کسی معجزہ کو ظاہر فرماتا ہے تو اسے عادت اور اسباب والے پیرائے میں اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ فیصلۂ الٰہی ارضی اسباب کی متابعت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود ٹھنڈی ہو گئی اس کی توجیہہ میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں وہ آگ میں ڈالے گئے اور وہ اللہ کے ایسے بندے تھے جن سے اللہ راضی تھا، چنانچہ اللہ نے ان کو مخلوق کے شر سے بچانے کا ارادہ کیا اور آگ کے مادے پر ہوا کے ذریعہ ایک ٹھنڈی کیفیت نازل

ی گئی۔ یہ ہوا الطبقۃ از بہر یرہ سے آگ پر آئی جو شدید ٹھنڈک لئے ہوئے تھی اور اس طرح اس نے
گ کی خاصیت کو بدل دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود پر بھیجے گئے عذاب کی توجیہ
رتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں "چونکہ قوم ثمود کا مسکن پہاڑ اور جنگل کا علاقہ تھا اس لئے ان
حق میں مناسب عذاب زلزلہ اور چیخ تھا۔" (ص ۹۵)

بلاشبہ ایک راسخ العقیدہ مومن کے لئے، ان توجیہات کی نہ ضرورت ہے نہ اہمیت ۔
ن ہر عہد میں خاص خاص علماء نے ان توجیہات کی علمی ضرورت کا احساس کیا ہے کیونکہ ہر
د اور ہر معاشرے میں ایسے لوگ بھی ضرور ہوئے ہیں جو دینی امور کو بھی عقل و حکمت کی راہ سے سمجھنا
ہتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ کمزور ایمان والے ہی ہوں یا اہلِ تشکیک میں سے ہوں۔ علماء میں بھی
ت سوں کا مذاق متعقلانہ ہوتا ہے اور وہ اسباب و علل کی کارفرمائی کو اللہ تعالیٰ کی آیات و
رات میں بھی نظر انداز نہیں کرتے، اور قرآن کریم کی دعوت فکر یعنی آیاتِ الٰہی میں تدبر کا بھی یہی
ضا ہے۔

کتاب کا چوتھا، پانچواں اور چھٹا باب درحقیقت اس تصنیف کا مقصود اصلی ہے اور
ہ ولی اللہ کے قرآنی فکر کی اور قرآنی خدمات کی براہ راست تفصیلی ترجمانی کرتا ہے اس حصہ
ں قرآنی علوم پر شاہ صاحب کی تصانیف کا تنقیدی مطالعہ پیش کرنے کے بعد شاہ صاحب
ے ترجمۂ قرآن یعنی "فتح الرحمن" کا تفصیل کے ساتھ تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ
نف نے نہ صرف اپنی علمی بصیرت کو اپنی تحقیقی کاوش میں ابھرنے کا موقع دیا ہے بلکہ اس کے
تھ ہی "فتح الرحمن" کی ظاہری اور معنوی خوبیاں الگ الگ کر کے اس طرح سامنے رکھ دی ہیں
وئی پہلو نگاہ سے اوجھل نہیں رہا۔ خواہ ترجمے اور ترجمانی کی خصوصیات ہوں یا فقہی نکات، موقع
کی رعایت ہو یا ذاتی رجحان، شرعی مسائل کا استنباط ہو یا دیگر مفسرین سے اختلاف کے مواقع
پہلو کو بھی مصنف نے نظر انداز نہیں کیا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ تشنہ اور ادھورا بھی نہیں
ڑا ہے تو بجا ہوگا۔

فتح الرحمن کے اس تفصیلی مطالعہ میں مصنف نے ایسے پہلوؤں کو بھی اپنی تحقیق میں
ں جگہ دی ہے جو کسی اعتبار سے اختیارات کا موضوع بن کر اہمیت حاصل کر گئے ہیں ،

مثلاً "غرانیق العلیٰ" کی تحقیق جو سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب کی وجہ سے علمی اور صحافتی حلقو
میں "آزادئ رائے" کا علامتی موضوع بنی ہوئی ہے۔ تاہم اگرچہ مصنف نے اس مسئلہ پر بھی نس
تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کو واضح کر دیا ہے لیکن ایک عام قاری ک
لحاظ سے کچھ پہلو مبہم رہ گئے ہیں۔ یعنی جس تفصیل کے ساتھ اس موضوع روایت کو اور اس کے ضمن
سورۃ النجم" سورہ "الحج" اور سورہ "بنی اسرائیل" کی متعلقہ آیات کو پیش کیا گیا ہے، مناسب ہوتا
اس روایت کی وضعیت اور کتب سیر میں در آنے کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہوتی۔

شاہ صاحب کے اس ترجمۂ قرآن کے تحقیقی مطالعہ میں شاہ صاحب کی انفرادیت کے
مخصوص پہلوؤں کو مصنف نے بہت جلی کر کے اور عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے مثلاً ربط آیات
اور نظم قرآن کے اخیر میں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے ماخذ و مصادر تفصیل سے درج کئے
ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ اہم اضافہ جس سے عام طور پر اردو کی علمی کتابیں محروم رہ جاتی ہیں
اعلام کا اشاریہ ہے جس سے قاری کو حوالے ڈھونڈنے میں سہولت ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر مصنف نے ایک بہت بڑی علمی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ قرآنی فکر کو جس
وسیع ترین تناظر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سمجھا اور پیش کیا ہے، عہد جدید میں اس
عین تقاضہ تھا کہ اس کو اسی شرح و بسط اور نقد و تبصرہ کے ساتھ اہل علم اور اہل نظر علمائے
اسلام اور علماء اغیار، سب کے سامنے آنا چاہیئے۔ مصنف کو اللہ تعالیٰ اس علمی خدمت
بہترین اجر عطا فرمائے اور ان کے علم اور عمر میں برکت عطا کرے کہ انھوں نے اس علمی ضرورت
اہمیت کو پورے طور پر محسوس کیا اور بہترین طور پر پورا کیا۔

(محمد اعظم قاسمی)

رأس الحكمة مخافة الله

ریزی ترجمۂ قرآن: INTERPRETATION OF THE MEANINGS OF THE NOBLE QURAN

: تقی الدین ہلالی اور محمد محسن خاں

مر: مکتبۂ دارالسلام، پوسٹ بکس ۲۱۴۴۱، ریاض، سعودی عرب۔

شاعت: ۱۹۹۴ء۔ صفحات: ۱۱۲۸۔

ہر چند کہ انگریزی زبان میں قرآن کریم کے متعدد تراجم دستیاب ہیں اور گذشتہ عشرے میں قابلِ ذکر اضافے اس صنف میں ہوئے ہیں لیکن حال میں سعودی عرب سے شائع ہونے والا یزی ترجمۂ قرآن ہر اعتبار سے دیگر تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہ نیا ترجمہ درحقیقت تفسیر ابن کثیر یں وانتخاب کا انگریزی قالب ہے جسے شعبۂ اسلامی عقائد اور تعلیمات کے شعبے کے استاد تاز عالمِ دین پروفیسر تقی الدین ہلالی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور صحیح بخاری کے نامور انگریزی ڈاکٹر محمد محسن خاں نے مشترکہ طور پر پیش کیا ہے۔

علمی اور دعوتی ضرورتوں کے پیش نظر ایک ایسے انگریزی ترجمۂ قرآن کی شدید ضرورت تھی پورے اعتماد کے ساتھ غیر مسلم حضرات اور غیر عربی داں مسلمانوں کو پیش کیا جاسکے۔ تاکہ وہ ت الٰہی سے استفادہ کرسکیں اور قرآن کریم کے پیغام سے ان کی کما حقہ واقفیت حاصل کرنا ہوسکے۔ موجودہ تراجم قرآن اپنے دیگر محاسن کے باوصف اس معیار پر پورے نہیں اترتے یہی نکتہ تقی الدین ہلالی کے دیباچے میں بھی سامنے آتا ہے۔ جب صحیح بخاری کے انگریزی ترجمے سودے کی تصحیح کے دوران انھوں نے موجودہ انگریزی تراجم قرآن سے رجوع کیا تو اس تلخ نت سے دوچار ہوئے کہ موجودہ تراجم قرآن مختلف لحاظ سے ناقص ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ، ت اور عالمِ غیب کے متعلق بعض مترجمین کا ذہن صاف نہیں اور اس وجہ سے ان کی تفاسیر راہ کن خیالات ونظریات راہ پاگئے ہیں۔ اس افسوس ناک صورت حال کی اصلاح کے لئے ن اور محسن خاں نے یہ عزم کیا کہ وہ ایک ایسا انگریزی ترجمۂ قرآن پیش کریں جو ان اغلاط الٔص سے پاک ہو، جمہور کے عقائد سے ہم آہنگ ہو اور غیر قرآنی نظریات سے آلودہ نہ ہو۔ قصود پیغام الٰہی کی ممکنہ حد تک صحیح تفہیم تھا تاکہ قارئین قرآن سے ہدایت اور رہنمائی پاسکیں۔ پیش نظر یہ مقصد بھی رہا کہ قرآنی مضامین کو بغیر ذہنی تحفظات اور تعصبات کے پیش کیا

جائے تاکہ اصل اسلامی عقائد اور تصورات منظرِ عام پر آئیں اور ہدایتِ الٰہی کے اس بے مثل سرچشمہ سے ہر ایک فیض یاب ہو سکے۔

زیر نظر ترجمہ قرآن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ بیشتر تراجم قرآن کے برخلاف اس میں سادہ، عام فہم، دل نشین انداز اور زبان میں قرآنی پیغام کی ترجمانی کی گئی ہے۔ متروک اور غیر معروف محاورہ یا بیان کے بجائے مستعمل اور معروف انگریزی محاورے میں مترجمین اپنا مدعا ادا کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں ۔ اس ضمن میں ہلالی اور محسن خان نے قرآن ترجمہ کی لطافتوں اور نزاکتوں کا التزام بھی کیا ہے۔ اگر محض لفظی ترجمہ اختیار کیا جاتا تو قارئین کے لئے بسا اوقات دشواری پیش آتی اس کے ساتھ ہی اگر ترجمہ پابند نہ ہوتا اس کا خدشہ رہتا ہے کہ غیر محتاط مترجم اپنی ذاتی آرا، بلکہ تفسیر بالرائے کو متن قرآن کے طور پر پیش کر کے قارئین کو گمراہ کر دے۔ یہ انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ زیر تبصرہ ترجمے میں دونوں انتہاؤں اور ان کے مضرات کا سدباب کرتے ہوئے اعتدال اور توازن، کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ اس کامیابی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اصلاً تفسیر ابن کثیر کا انگریزی قالب ہے اور تفسیر ابن کثیر خود اعتدال اور توازن کا معیاری نمونہ ہے اسی لئے یہ صفت اس ترجمے میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مترجمین نے متن کی تشریح اور توضیح کے لئے جو اضافی مواد فراہم کیا ہے ۔ اسے بالتزام قوسین میں درج کیا ہے تاکہ اصل متن اور تشریح ایک دوسرے سے ممتاز رہیں اور کسی غلط فہمی کا احتمال تک نہ ہو۔ مترجمین اس احتیاط اور اہتمام کے لئے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مزید برآں، تشریحی اور توضیحی مواد انتہائی مستند اور معیاری مآخذ سے مستعار لیا گیا ہے۔ ان میں سرفہرست سنت، صحاح ستہ، آثار و اقوال صحابہ اور متقدمین کی تفاسیر ہیں۔ درحقیقت تفسیر ابن کثیر کے بھی اصل مآخذ ہیں۔ زیر نظر ترجمے میں اس پابندی کی اہمیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ متعدد دستیاب انگریزی تراجم قرآن میں ان مآخذ کے بجائے تفسیر بالرائے، نام نہاد عقلیت پسندی اور سائنسی انداز فکر کو اختیار کرنے کے باعث جابجا غلط تصورات انتہائی مسخ صورت میں قارئین کے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً: محمد علی، محمد اسد اور احمد علی کے تراجم میں معجزات کا انکار اور لاطائل تاویلیں، عالم غیب سے متعلق امور کی گمراہ کن تشریحات

واسطہ پڑتا ہے۔ تفسیر بالرائے کی ایک اور افسوسناک شکل مسلکی، گروہی یا نظریاتی تعصبات کو قارئین کے اوپر مسلط کرتا ہے یہ رجحان ایس۔ وی۔ میر احمد علی، ایم۔ ایچ۔ شاکر، سید محمد حسین طباطبائی اور ایچ۔ اے۔ قاملی کے انگریزی تراجم میں اس طور پر ملتا ہے کہ مذکورہ تراجم علی الترتیب شیعی اور بریلوی مسالک کے نمائندہ ہیں۔ زیر نظر ترجمہ قرآن میں جمہور کے عقائد کو بلے کم و کاست اور پورے اعتماد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

گزشتہ نصف صدی سے عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن بہت مقبول رہا ہے۔ یوسف علی کی انگریزی زبان و محاورہ پر دسترس سے قطع نظر موصوف کا مطالعہ اسلام کچھ زیادہ قابل اعتماد نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے دین ان کے ترجمے میں شامل تشریحی اور توضیحی حواشی سے مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ کئی سال تک دارالافتا سعودی عرب کے زیر نگرانی اس مقبول عام ترجمے کی تصحیح اور ترمیم کا کام انجام پاتا رہا اور ۱۹۸۹ء میں نظر ثانی شدہ بلکہ تصحیح شدہ ایڈیشن شائع ہوا۔ اب یہ ترجمہ بڑی حد تک ان اغلاط سے پاک ہوگیا ہے البتہ اہل جمہور کے عقائد کی بھرپور ترجمانی کرنے سے یہ تصنیف ابھی تک قاصر ہے کیونکہ اصل مترجم کے خیالات اور تصورات بڑی حد تک تفرد اور عقلیت پسندی کا رنگ لئے ہوئے تھے اس لئے اگرچہ نظر ثانی کے ذریعہ فاش اور گمراہ کن تصورات کو بلاشبہ حذف کر دیا گیا ہے لیکن اصل اسلامی تصور قارئین کے سامنے نہیں آپاتا مثلاً جنت دوزخ اور ان کے انعامات اور سزاؤں کے بارے میں عبداللہ یوسف علی کا ذہن صاف نہیں تھا۔ اپنے دور کے غیر اسلامی رجحانات سے متاثر ہو کر موصوف کا یہ خیال تھا کہ جزا و سزا سے متعلق قرآنی احکام محض تمثیلی نوعیت کے ہیں اور جنت و دوزخ دراصل ذہنی کیفیات کا نام ہے۔ اسی طرح انھوں نے معجزات، جن اور غیب کے امور کی بھی ایسی تاویل کی جو جمہور کے عقائد سے مختلف تھی نظر ثانی کے دوران اس ترجمہ کو اس قسم کے گمراہ کن خیالات سے پاک کر دیا گیا تھا پھر بھی ایک ایسے ترجمۂ قرآن کی سخت ضرورت تھی جس میں ان امور کی صحیح ترجمانی ہو۔

مندرجہ ذیل مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یوسف علی کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن کی بہ نسبت زیر تبصرہ ترجمۂ قرآن اسلامی عقائد کی شرح و ترجمانی کے لحاظ سے بہت مستند اور کامیاب ہے اور پورے اعتماد کے ساتھ اسلامی احکام سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس کی سفارش کی جاسکتی

ہے۔

(الف) سورہ النمل آیت ۸۲ میں "دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ" کا ذکر قیامت کی نشانی کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس مقام پر قارئین کو رہنمائی کی بجا طور پر ضرورت ہے کہ اس سے کیا مراد ہے اپنے تشریحی حاشیے میں عبداللہ یوسف علی نے اسے محض مادہ پرستی سے تعبیر کیا ہے اور اس کی مزید تشریح بائبل کے حوالے سے کرنے کی کوشش کی ہے نتیجۃً قارئین اصل مراد سے ناواقف ہی رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہلالی اور محسن خاں کے ترجمہ میں "دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ" کے عنوان پر متعدد احادیث کے اقتباسات ملتے ہیں جن سے اس نکتے کی کما حقہٗ وضاحت ہو جاتی ہے۔

(ب) انتہائی دل نشین انداز میں پیغام قرآنی کی ترسیل زیر تبصرہ ترجمہ کی امتیازی صفت ہے۔ قرآن پاک میں بکثرت اصطلاحات مستعمل ہوئی ہیں جو دراصل ایک جامع تصور کا احاطہ کرتی ہیں ان کا صرف لفظی ترجمہ قرآنی مفہوم کی ترجمانی سے قاصر رہتا ہے۔ ہلالی اور محسن خاں اس لطیف نکتے سے بخوبی آگاہ ہیں اسی باعث ان کے ہاں اکثر قرآنی اصطلاحات کی جامع تشریح و تعبیر بھی ملتی ہے مثلاً حسنات و سیئات، آیات، محسنین، مجرمین، متقین، صادقین، مشرکین، معروف و منکر، باطل، طاغوت، حکمت کی بخوبی وضاحت کی گئی ہے۔

(ج) معجزات کی تشریح اور تعبیر کی جمہور کے عقائد سے مکمل طور پر ہم آہنگی، زیر تبصرہ ترجمۂ قرآن کی ایک مزید خوبی ہے۔ سائنس یا عقلیت پسندی سے مرعوب ہوئے بغیر ہلالی اور محسن خاں نے معراج النبیؐ، خانہ کعبہ پر ابرہہ کے حملے، کوثر کی تشریح، حضرت عیسیٰؑ کی عالم طفلی میں گفتگو وغیرہ جیسے امور کو احادیث کے حوالے سے بحسن و خوبی بیان کیا ہے اس لحاظ سے یہ انگریزی ترجمہ محمد علی، شیر علی، محمد اسد، احمد علی اور ایک حد تک عبداللہ یوسف علی کے تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔

اس ترجمے کے اختتام پر قارئین کے استفادہ کے لئے ایک جامع ضمیمہ بھی ہے جس میں خاصی تعداد میں قرآنی اصطلاحات اور احکام کی سادہ، عام فہم اور دل نشین انداز میں تشریح کی گئی ہے یہ ضمیمہ احکام قرآنی کو سمجھنے میں بہت مفید ہے۔ ربا، احرام، اقامت الصلوٰۃ، زکوٰۃ اور دیگر احکام کا مختصر مگر

جامع تعارف اس ضمیمے کا مابہ الامتیاز پہلو ہے۔

"اشاریہ" بھی اپنی جامعیت اور کیت کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ قرآن کریم کے غیر عربی داں قارئین کو بسا اوقات مختلف معاملات پر قرآنی تصریحات کی ضرورت پیش آتی ہے چونکہ اس "اشاریہ" میں حتی الامکان سب ہی قرآنی مضامین، اسما، اور اماکن وغیرہ کا بخوبی احاطہ کیا گیا ہے اس لئے اس سے قارئین کو بڑی مدد ملے گی ــــ اس اشاریے کی ترتیب میں مترجمین نے بڑی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اس نکتے کی وضاحت کے لئے صرف ایک مثال کافی ہوگی۔ اس ترجمۂ قرآن اور یوسف علی کے ترجمے میں حروف تہجی کے اعتبار سے حضرت ہارون (AARON) کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ اس کے ذیل میں یوسف علی کے ہاں صرف ۳ (تین) حوالے درج ہیں۔ جب کہ ہلالی اور محسن خاں کے بقید سورہ/آیت نمبر، ۱۷ (سترہ) حوالوں کی نشاندہی کی ہے۔

اس ترجمہ کے آخر میں مزید قیمتی مواد نتیجے کے طور پر بھی ملتا ہے مثلاً: رسالت، توحید، شہادت، شرک، کفر، نفاق، جہاد، اہلِ کتاب اور بائبل اور قرآن میں حضرات عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک جیسے اہم امور پر بھرپور بحث کی گئی ہے اس طرح قرآن کے مضامین کی مجموعی تصویر قارئین کے سامنے آجاتی ہے اور اس ترجمہ کے مطالعہ کے بعد قاری کو اسلام، اس کے بنیادی عقائد اور تصورات اور قرآنی پیغام سے واقفیت حاصل کرنے کا مستند اور مفید مأخذ ہاتھ آجاتا ہے۔

اس ترجمہ کی صحت اور معیار کے متعلق شیخ عبدالعزیز بن باز (دارالافتا، سعودی عرب)، شیخ عمر فلاتا (سکریٹری جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ) اور امین العمری اور ف۔ عبدالرحیم (استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کی اسناد بھی اس کے ساتھ منسلک ہیں۔

کوئی بھی انسانی کاوش لغزشوں اور غلطیوں سے یکسر پاک نہیں ہوتی۔ چنانچہ چند مقامات پر مفہوم قرآنی کے ادراک میں ہلالی اور محسن خاں سے بھی تسامحات سرزد ہوئے ہیں۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل آیات ۷۱ اور ۸۵، سورۃ الزمر آیات ۱۲ و ۱۸ میں اصلاح اور نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس سے قطع نظر یہ کہ انگریزی ترجمہ ہر اعتبار سے انتہائی معیاری اور تسلی بخش ہے۔ یقین کامل ہے کہ ان شاء اللہ اس کے منظرِ عام پر آجانے کے بعد مسلم اور غیر مسلم قارئین کے لئے قرآن فہمی کی نئی راہیں

کھلیں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مترجمین کو اس وقیع علمی کارنامے اور خدمت قرآن کے لئے جزائے خیر دے۔

اس ترجمہ کے ناشر مکتبۂ دار السلام، ریاض بھی بجا طور پر مبارک باد اور تعریف کے مستحق ہیں کہ ترجمہ کی طباعت اور اشاعت میں انھوں نے اعلیٰ معیار کی پابندی کی ہے اور طباعت اور پیش کش کے اعتبار سے اسے بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ زیر تبصرہ ترجمۂ قرآن وقت کی ایک بہت اہم علمی ضرورت کو بڑی کامیابی کے ساتھ پورا کرنے میں بلاشبہ کامیاب ہے۔

(عبدالرحیم قدوائی)

کتاب نما

ادارہ

قرآنیات پر نئی کتابیں:

نظم قرآن ــ ایک تعارف

ناشر : دائرہ حمیدیہ، مدرستہ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ

سن اشاعت: ۱۹۹۴ء۔ صفحات ۹۶۔ قیمت ۲۰/= روپے

انجمن طلبہ قدیم مدرستہ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ کے زیر اہتمام "نظم قرآن" کے موضوع پر ۶-۸ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو الاصلاح میں ایک سہ روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ اسی مناسبت سے یہ کتاب ترتیب دی گئی۔

اس کتاب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ)، امام بدر الدین الزرکشیؒ (متوفی ۷۹۴ھ) استاذ امام فراہیؒ اور ان کے لائق شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی کی نظم قرآن سے متعلق بعض منتشر تحریروں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہمہ جہت خدمات سے علمی دنیا اچھی طرح متعارف ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے رہنما اصول مرتب شکل میں سب سے پہلے انھوں نے فراہم کئے، "رسالہ فی اصول التفسیر" میں "نظم قرآن" کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے گمان ہو سکتا تھا کہ ان کے نزدیک اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے مگر سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ اور قرآن مجید کی آخری سورتوں میں انھوں نے بہت عمدہ طریقے سے نظم قرآن کو اجاگر کیا ہے۔ اس کتاب میں ان کی اس طرح کی تحریروں کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ علامہ زرکشی کا شمار صف اول کے ان محققین

میں ہوتا ہے جنھوں نے "نظم قرآن" کو باقاعدہ ایک "فن" کا درجہ دیا۔ اس موضوع پر غالباً انھوں نے سب سے پہلے مکمل کتاب تصنیف کی، مگر وہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی، نظم قرآن سے متعلق کچھ اشارات اور سورہ بقرہ تا مائدہ کے درمیان انھوں نے جو نظم بیان کیا ہے وہ ماخذ میں بکھرا ہوا تھا۔ اسے یہاں محفوظ کر دیا گیا ہے، استاذ امام فراہی اور مولانا اصلاحی کے ناموں کے ساتھ نظم قرآن کا عنوان بھی جڑا ہوا ہے، بلاشبہ نظم قرآن کو موضوع بحث بنانے اور فہم قرآن کے کلیدی اصول کی حیثیت سے متعارف کرانے میں ان بزرگوں کا بڑا حصہ ہے، اس موضوع پر ان کی تحریریں جو مختلف رسالوں، کتابوں یا مخطوطات کی شکل میں تھیں، ایک خاص ترتیب کے ساتھ انھیں یہاں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا بڑا حصہ انہی بزرگوں کی تحریروں پر مشتمل ہے۔

کاتبین وحی: چھپن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقدس حالات

تالیف: ابوالحسن اعظمی

ناشر: مکتبہ صوت القرآن، دیوبند۔ بار اول

سن اشاعت: ۱۴۱۴ھ۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت درج نہیں۔

'کاتبین وحی' مولانا ابوالحسن اعظمی استاد قرأت دارالعلوم دیوبند کی تازہ تصنیف ہے۔ موصوف نے علم قرأت سے متعلق تقریباً تین درجن چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں، جو مذکورہ مکتبہ ہی سے شائع ہوئی ہیں۔

زیر نظر کتاب میں چھپن ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مختصر حالات مستند ماخذ کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں جن کا تعلق کسی نوع سے کتابت قرآن سے رہا ہے، اس سلسلہ میں وارد مختلف روایات کو جمع کرنے کے بعد یہ تعداد چھپن تک پہنچتی ہے۔ کاتبین وحی کی غالباً پہلی مرتبہ اتنی جامع فہرست مرتب ہوئی ہے۔

مؤلف نے خدمات کی نوعیت کے لحاظ سے ان کاتبین عظام کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وہ حضرات جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات اور خطوط لکھواتے تھے۔

۲۔ وہ حضرات جو بطور خود قرآن کریم کو کتابت و تحریر کے ذریعہ ضبط اور جمع کرتے تھے۔

۳۔ وہ حضرات جو مصاحف عثمانی کی کتابت میں شریک تھے۔

۴- وہ حضرات جو وحی خفی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے۔

۵- وہ حضرات جو طرز کتابت اور اسلوب تحریر سے بخوبی واقف تھے۔

اسی ترتیب پر تمام کاتبین کے احوال زندگی اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، زبان عام فہم اور سلیس ہے۔ ابتدا میں ایک تین صفحے کا مضمون قرآن مجید کے تعارف پر مشتمل ہے۔

قرآنیات پر نئے مضامین

تفسیر قرآن میں نظم کلام کی مشکلات (افادات فراہی)، ترتیب و ترجمہ خالد مسعود، تدبر، شمارہ نمبر ۴۷، جولائی ۱۹۹۴ء، ص ۲۰-۲۶۔

مخالفین سے عدم تعلق کے قرآنی احکام کا پس منظر، سید جلال الدین عمری، تحقیقات اسلامی، ۱۳/۳، جولائی۔ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۵-۲۱۔

امام ابوالمظفر سمعانی۔ حیات و خدمات، محمد ثناء اللہ بھٹو، ترجمہ: جرجیس کریمی، تحقیقات اسلامی، ۱۳/۴۔ اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۴ء، ص ۹۲-۱۱۳

اقبال کے کلام میں قرآنی آیات کے منظوم ترجموں کے اشاریے، محمد بدیع الزماں، معارف، ۱۵۴/۱، جولائی ۹۴ء، ص ۴۲-۵۰۔

سرسید احمد خاں اور ان کی تفسیر القرآن، محمد عارف اعظمی عمری، معارف، ۱۵۴/۳، ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۴۲-۵۰۔

سیرت نگاری۔ قرآن کریم کی روشنی میں (عزیز ملک کی تازہ تصنیف تذکار کے تناظر میں ایک انتقادی جائزہ) ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زماں، فکر و نظر، ۳۱/۴، اپریل۔جون ۹۴ء، ص ۱۰۱-۱۱۶۔

اقبال کے کلام میں بولہب کی اصطلاح قرآن کی روشنی میں، محمد بدیع الزماں، زندگی نو، ۲۰/۳، ستمبر ۹۴ء، ص ۳۰-۳۸۔

تفسیر دعوۃ القرآن اور فریضۂ اقامت دین، نعیم الدین اصلاحی، زندگی نو، ۲۰/۵، نومبر ۱۹۹۴ء، ص ۱۶-۳۲۔

کتب سماوی اور مولانا فراہی کا نقطہ نظر، محمد افضل اصلاحی، زندگی نو، ۲۰/۴، اکتوبر

۱۹۹۴ء، ص ۳۰-۴۱۔

القرآن وعلم النفس، محمد عثمان نجاتی، عرض وتعلیق۔ علی القاضی، البعث الاسلامی، ۳۹/۷/۹، اغسطس، ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۷۸-۸۵۔

علم القراءۃ فی العصور المتوسطۃ فی الھند، ظفر الاسلام الاصلاحی، تعریب الشیخ عبد الرحمٰن الملی الندوی، البعث الاسلامی، ۳۹/۷/۹، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۴ء ص ۴۴-۴۸۔

- السیوطی وعلوم القرآن۔ الاستاذ محمد یوسف الشربجی۔ مجلہ مجمع اللغۃ العربیۃ بدمشق جلد ۶۷ شمارہ ۴۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۶۵۰-۶۸۳
- مسألۃ فی کلمۃ الشہادۃ۔ املاء الزمخشری، تحقیق محمد احمد الدالی۔ مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ بدمشق جلد ۶۸ شمارہ ۱ جنوری ۱۹۹۳ء ص ۷۷-۹۴۔
- دفاع عن کتاب التیسیر للدانی۔ محمد حسان الطیان۔ مجلۃ مجمع دمشق جلد ۶۸ شمارہ ۲ اپریل ۱۹۹۳ء ص ۳۴۶-۳۶۱۔
- رسم المصحف بین التحرز والتحور۔ ڈاکٹر زید عمر مصطفیٰ۔ الدارۃ جلد ۲ شمارہ ۳ ربیع الآخر۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ، ص ۷۱-۱۲۷۔
- محمد بن عرفۃ ومنھجہ فی التفسیر۔ ڈاکٹر وسیلۃ بلعید۔ مجلۃ جامعۃ الزیتونہ شمارہ ۲ ۱۴۱۳ھ۔ ص ۷۹-۱۱۹۔
- الاعجاز القرآنی ووجوھہ عند الرازی وابن عاشور۔ ڈاکٹر محمد العربی بوعزیزی مجلۃ جامعۃ الزیتونہ۔ شمارہ دوم ۱۴۱۳ھ۔ ص ۱۷۳-۲۰۷۔
- الالوھیۃ فی القرآن الکریم۔ ڈاکٹر صالح داسی۔ مجلۃ جامعۃ الزیتونہ (شمارہ مذکور) ص ۲۷۳-۳۱۷۔

[مراکش کے شہر "وجدہ" سے ایک سہ ماہی رسالہ "المشکاۃ" کے نام سے نکلتا ہے۔ اس کے مدیر معروف ادیب حسن الامرانی ہیں۔ یہ رسالہ اسلامی ادب کا ترجمان ہے اور پانچ سال سے پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں جو رسالہ کا انیسواں شمارہ ہے۔ ایک خاص گوشہ قرآنی مضامین کا ہے

۱۳۵

جس میں درج ذیل پانچ مضامین شامل ہیں]

۱- اشکالیۃ التاویل فی القرآن الکریم، محاولۃ لتاویل آیات من سورۃ الرحمٰن، ص ۱۷۱-۱۹۰، ڈاکٹر عبدالملک مرتاض۔

۲- توجیہ المعنیٰ فی النظم القرآنی واثرہ فی العقیدۃ، ص ۱۰۲-۲۲۲، ڈاکٹر عبدالکریم مشعطنی

۳- البنیۃ الحجاجیۃ للخطاب القرآنی، سورۃ الاعلیٰ نموذجاً، ص ۱۲۳-۱۳۴۔ ڈاکٹر ابوبکر عزاوی

۴- قضیۃ الاعجاز القرآنی، الحقیقۃ والملہاۃ، ص ۱۳۰-۱۲۳۔ ڈاکٹر عبدالرزاق ہرماس

۵- کان واستعمالاتہا الزمنیۃ فی القرآن الکریم، ص ۱۴۴-۱۶۰، ڈاکٹر بکری عبدالکریم

Ihsanoglu, Ekmeleddın, A study on the Manuscript Translatıons of the Holy Quran ın J. Coper (ed) *The Sıgnıficance of the Islamic Manuscrıpts,* London, Al-Furqan Islamıc Herıtage Foundatıon, 1992, pp 79-106.

Rubın Urı, Quran and Tafsır the case of `an Yadin' *Der Islam* (Berlin), 70·1, 1993, pp 133-44

Bıblıographıc Control of Quranic Lıterature, An Evaluatıve Survey, Khan, Mafakhkhar Husaın, *The Islamıc Quarterly* (London) 37 2, 1993, pp.95-123

Sardr Al Sayyıd Muhammad Baqar Al, The Holy Quran and the Law of Hıstorıcal Change, Part 2, *Al-Tawhıd* (Tehzan) 10:2-3, 1993, pp.27-40.

The Neglected sunnah : Sunnat Allah (The Sunnah of God), Rosalınd W. Gwynne, *The Amerıcan Journal of Islamic Social Sciences*, 10/4, wınter 1993, pp 455-63.

Evolutıon and Development of Tafsir, B. Lanne Yusuf, *Hamdard Islamius*, XVII/2, Summer, 1994, pp 77-90

Imam Fakhruddın Razi Philosophıcal Theology ın *Al-Tafsır Al-Kabır,* Murtada A. Muhıbuddın, *Hamdard Islamicus,* XVII/3, Autumn, 1994, pp.55-84.

خبرنامہ

ادارہ

عالمی زبانوں میں ترجمہ قرآن کی اشاعت۔ دعوۃ اکیڈمی کا عظیم الشان منصوبہ

ابتدائی زمانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلام جہاں جہاں پہونچا وہاں عربی زبان نہ صرف یہ کہ عمومی رابطہ کی زبان بن گئی بلکہ علمی و فکری بحث وتمحیص اور فلسفیانہ اور سائنسی تحقیق وتنقید کا وسیلہ بھی یہی زبان قرار پائی۔ چنانچہ ان علاقوں میں اسلام کا پیغام پہونچانے کے لئے ترجمۂ قرآن کی چنداں ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ایک طرف مسلمانوں کی مذہبی توانائی اور جذبۂ تبلیغ میں کمی آئی تو دوسری طرف عربی زبان کی حیثیت پر بھی اثر پڑا اور علمی بحث ونظر کی بنیادی وسیلہ کی حیثیت سے عربی زبان کی برتری باقی نہیں رہی۔ چنانچہ بدلے ہوئے حالات میں یہ ضرور ہوگیا کہ اقوام وملل کے سامنے خالق کائنات کے ابدی پیغام کو اس زبان اور اسلوب میں پیش کیا جائے، جو ان کے لئے قابل فہم ہو اس لئے کہ صرف اسی صورت میں کار دعوت کا تسلسل باقی رہ سکتا تھا۔ اس ضرورت کے احساس کے تحت جہاں مقامی زبانوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اسلام سے متعلق لٹریچر کی اشاعت کا کام شروع ہوا وہیں قرآن مجید کے تراجم بھی مختلف زبانوں میں آنے لگے۔

دوسری زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ کا کام گزشتہ کئی صدیوں سے جاری ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ بیشتر تراجم ان زبانوں میں کئے گئے ہیں جو مسلم اکثریتی علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مسلم علاقوں میں دعوتی سرگرمیاں متاثر ہوئیں۔ اگرچہ

متعدد غیر مسلم مغربی محققین نے اپنی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کئے اور اسلام کے بارے میں تصنیفات کیں لیکن ان کی یہ کاوشیں جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی اور تعصب کی شکار ہیں۔ چنانچہ ان کے ذریعہ اسلام کی مسخ شدہ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس صدی کی ابتدا میں پہلا قرآن مجید کا ترجمہ ایک یورپی مسلمان دانشور محمد مارماڈیوک پکتھال نے پیش کیا۔ اس وقت سے انگریزی اور کئی دوسری یورپی زبانوں میں قرآن مجید کے متعدد تراجم منظر عام پر آچکے ہیں۔

یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ قرآن مجید کے معانی کو عالمی زبانوں میں منتقل کرنے کے لئے کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی جیسا کہ عیسائیوں نے بائبل کے سلسلہ میں کیا جس کے نتیجہ میں دنیا کی تقریباً ہر زبان میں بائبل کا ترجمہ دستیاب ہے۔ ایسی منظم کاوش کی ضرورت اور اہمیت تو ہمیشہ ہی سے تھی لیکن دورِ حاضر میں عالمی منظر نامہ میں جو تبدیلیاں آئی ہیں ان کی وجہ سے اس کی ضرورت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ دعوت ایک مسلسل عمل ہے اور ہر بندہ مسلم کے فرائض داخل ہے ہے۔ موجودہ صورت حال میں دین حنیف کی تبلیغ کے امکانات غیر معمولی حد تک بڑھ گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل دو عظیم تاریخی حقیقتوں پر امت کے ہر فرد کی نگاہ ہونی چاہیے۔

۱۔ دنیا بھر میں اسلام کے بارے میں وسیع پیمانے پر دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ دورِ حاضر کے ذہین تعلیم یافتہ اور روشن دماغ لوگ اس عظیم مذہب کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ وہ ان عوامل واسباب کی تہہ تک پہونچنا چاہتے ہیں جن کے باعث یہ مذہب بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ اس استقامت اور پامردی سے کر سکا ہے۔ موجودہ بے خدا معاشرہ جس اخلاقی اور روحانی بحران کا شکار ہے اس کا حل اسلامی تعلیمات ہی میں مل سکتا ہے۔ مزید براں بڑے پیمانے پر مختلف زبانوں میں ترجمہ قرآن کی فراہمی سے مغربی ذہن ودماغ میں اسلام سے متعلق پائی جانے والی بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

۲۔ سویت یونین کے زوال کے نتیجہ میں جو ریاستیں ابھری ہیں ان میں ایک معتدبہ تعداد ان ریاستوں کی ہے جو ماضی میں اسلامی علوم اور تہذیب کا گہوارہ رہی ہیں۔ یہ نو آزاد ریاستیں اپنے اسلامی تشخص اور ورثہ کی بازیافت کے لئے کوشاں ہیں لیکن کیمونسٹ حکمرانوں کی علم دشمنی اور تہذیب سوزی کے نتیجہ میں اب ان خطوں میں اسلامی لٹریچر دستیاب نہیں۔ اس صورت حال

میں یہ پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ ان کی زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور دوسرا اسلامی لٹریچر فراہم کیا جائے، اور اسلام کی طرف واپسی میں ان کی مدد کی جائے۔

انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد کی دعوۃ اکیڈمی گذشتہ کچھ سالوں سے مختلف زبانوں میں تراجم قرآن کی اشاعت کے کام میں سرگرم ہے لیکن یہ کاوش زیادہ تر موجودہ ترجموں کی دوبارہ اشاعت اور مختلف ممالک میں بڑے پیمانے پر ان کی تقسیم تک محدود رہی ہے۔ ۱۹۸۹ء تک اکیڈمی نے جو تراجم شائع کئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ انگریزی ترجمہ قرآن مع تشریحات۔ علامہ عبداللہ یوسف علی ۱۶,۰۰۰ نسخے

۲۔ البانی ترجمہ قرآن مع تشریحات ۱۰,۰۰۰ نسخے

۳۔ چینی ترجمہ قرآن ۱۰,۰۰۰ نسخے

۴۔ برمی ترجمہ قرآن ۱۰,۰۰۰ نسخے

اس کے علاوہ اسپینی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اس وقت کمپوزنگ اور اشاعت کے مرحلہ میں ہے۔ اس کی تیاری میں مشہور اسکالر ڈاکٹر علی کتانی کا تعاون حاصل رہا ہے۔ مزید براں مشہور جرمن اسکالر ڈاکٹر احمد وان ڈنفر نے جرمن زبان میں ترجمہ قرآن کا کام مکمل کر لیا ہے اور اب یہ بھی تیاری کے آخری مراحل میں ہے۔

اس مذہبی فریضہ کی غیر معمولی اہمیت اور اس کی فوری نوعیت کے پیش نظر دعوۃ اکیڈمی نے ایک باضابطہ منصوبے کا آغاز کر دیا ہے تاکہ عالمی زبانوں میں قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کی ترجمانی کے سلسلہ میں ہونے والی کوششوں کو منظم کیا جاسکے۔ اس مقصد سے مختلف ممالک کے ممتاز محققین کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ ان تراجم کی اشاعت اور تقسیم کا کام دعوۃ اکیڈمی انجام دے گی۔

یہ ایک عظیم الشان منصوبہ ہے جس کی تکمیل کے لئے دعوۃ اکیڈمی توفیق الٰہی کی طلب گار ہے اور اس خدائی پیغام کو عام کرنے کے سلسلہ میں امت کی نیک خواہشات اور تعاون کی امیدوار

(اقتباس و ترجمانی: DAWAH HIGHLIGHTS, ISLAMABAD
5:1,1994, PP 8-9)

برمی ترجمہ قرآن کی اشاعت

نئی دہلی (فانا) گزشتہ ماہ برما کے دارالحکومت رنگون میں قرآن کریم کے برمی ترجمہ کا نیا ایڈیشن منظرِ عام پر آگیا۔ واضح رہے کہ ترجمہ کا کام آج سے ۳۰ برس قبل برما کے وزیر تجارت مرحوم علی رشید کی سربراہی میں ایک خصوصی کمیٹی نے انجام دیا اور اس کی اشاعت بھی عمل میں آئی لیکن اس کی کاپیاں بازار میں دستیاب نہیں تھیں۔

وامی کے ترجمان "اسلامک فیوچر" نے یہ انکشاف کیا کہ یہ کام انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کی دعوۃ اکیڈمی کے تعاون سے انجام پایا۔

(سہ روزہ دعوت، یکم ستمبر ۹۴ء)

ادارہ علوم القرآن میں مہمانوں کی آمد و قرآنی محاضرہ

۱۔ ممتاز عالم و مصنف مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب ۱۶ جنوری ۹۵ء کو ادارہ میں تشریف فرما ہوئے، ادارہ اور اس کی لائبریری کا معائنہ کیا فاضل مہمان کے سامنے ادارہ کا تعارف پیش کیا گیا۔ انھوں نے ادارہ کے متعلقین سے ادارہ کی سرگرمیوں بالخصوص مجلہ و کتابوں کی اشاعت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس کے علاوہ اس مجلس میں قرآن کریم کی روشنی میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔

۲۔ یکم اپریل ۹۵ء کو ادارہ میں ایک قرآنی محاضرہ زیر صدارت ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب منعقد ہوا۔ اس موقع پر ڈاکٹر عرفان احمد خاں صاحب (مقیم شکاگو) نے "قرآن کے آخری حصہ میں اعادہ مضامین" کے موضوع پر لکچر دیا۔ لکچر کے بعد بحث و مباحثہ کا بھی سلسلہ رہا۔ مہمان گرامی نے اپنے لکچر میں خاص کر اس پہلو پر زور دیا کہ قرآن کے آخری پارہ میں مختلف سورتوں میں ایک نوع کے مضامین کا اعادہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح کی ایک سورہ پر غور و فکر کرتے وقت اسی مضمون کی دوسری سورہ کو پیش نظر رکھا جائے تو قرآن فہمی کے نئے نئے پہلو سامنے آئیں گے۔

ششماہی علوم القرآن کے آٹھ سال

مشتملات کے آئینہ میں

ظفر الاسلام اصلاحی

ششماہی علوم القرآن میں شائع ہونے والے مضامین کے اشاریے اس سے قبل وقفہ وقفہ سے تین بار (۵/۲/۱۹۹۰ء، ۶/۱۔۲/۱۹۹۱ء، ۷/۲/۱۹۹۲ء) شائع کیے جا چکے ہیں۔ اس دفعہ اب تک کی شائع شدہ اس کی آٹھوں جلد (۱۵ شمارے) کا اشاریہ یکجا دیا جا رہا ہے۔ قارئین کی دلچسپی اور قرآنیات کے شائقین و محققین کی سہولت کے لیے یہ موضوع کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف سابق شماروں میں شائع شدہ مواد کی کمیت و کیفیت کا اندازہ ہوگا بلکہ ان سے استفادہ میں بھی آسانی ہوگی۔ مزید برآں اس اشاریہ سے خود احتسابی بھی مقصود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ اب تک یہ مجلہ قرآنیات کے کن کن پہلوؤں پر مواد فراہم کر چکا ہے اور کون سے اہم گوشے ابھی تشنہ رہ گئے ہیں اور پھر اس کی روشنی میں آئندہ شماروں کے لئے ترجیحات متعین کی جا سکیں گی۔ امید کہ قارئین بھی اس سلسلہ میں اپنے مشوروں سے ہمیں مستفید کریں گے تاکہ اس مجلہ کو قرآنی علوم کی اشاعت کے نقطۂ نظر سے مزید مفید و کارآمد بنایا جا سکے۔

مضمون	مضمون نگار	جلد و شمارہ	صفحات
اداریہ (ادارہ و مجلہ علوم القرآن کا تعارف)	اشتیاق احمد ظلی	۱/۱	۵-۷
اداریہ (قرآن کریم اور مستشرقین)	اشتیاق احمد ظلی	۱/۲	۵-۶
اداریہ (ترجمہ قرآن کے مسائل)	اشتیاق احمد ظلی	۲/۲	۵-۷
اداریہ (قرآن کریم کے تئیں معاندین اسلام کا رویہ اور ہماری ذمہ داریاں)	اشتیاق احمد ظلی	۱-۲/۳	۵-۱۳
اداریہ (عصری جامعات و علمی اداروں میں قرآنیات	اشتیاق احمد ظلی	۱/۴	۵-۸

● آٹھوں جلدوں کی تفصیلات اشاعت اس اشاریہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

مضمون	مضمون نگار	جلد وشمارہ	صفحات
بحیثیت موضوعِ تحقیق)			
اداریہ (قرآنیات پر کتابیاتی مواد۔ ضرورت و افادیت)	اشتیاق احمد ظلی	۲/۴	۵-۸
اداریہ (مولانا فراہی سیمینار۔ ضرورت وافادیت)	اشتیاق احمد ظلی	۵/۱	۵-۸
اداریہ (اشتراکی روس کی شکست و ریخت)	اشتیاق احمد ظلی	۵/۲	۵-۷
اداریہ (مولانا فراہی سیمینار۔ تاثرات)	اشتیاق احمد ظلی	۶/۱-۲	۵-۱۰
اداریہ (بابری مسجد کی شہادت)	اشتیاق احمد ظلی	۷/۱	۵-۸
اداریہ (کچھ ادارہ علوم القرآن کے بارے میں)	اشتیاق احمد ظلی	۷/۲	۵-۷
اداریہ ("نظم قرآن" سیمینار)	اشتیاق احمد ظلی	۸/۱	۵-۸
اداریہ ("نظم قرآن" سیمینار۔ تاثرات)	اشتیاق احمد ظلی	۸/۲	۵-۹

اُصول و تعلیمات

ایمان اور اسلام	امین احسن اصلاحی	۱/۱	۸-۱۷
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی (سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کی روشنی میں)	امین احسن اصلاحی	۴/۲	۴۰-۴۴
قرآن۔ مدار مغفرتِ انسان	محمد حمید اللہ	۴/۲	۴۵-۵۷
قرآن۔ معیار ہدایت	محمد سعود عالم قاسمی	۶/۱-۲	۴۹-۸۱
خصوصیات قرآن کا وسیع دائرہ	سلطان احمد اصلاحی	۱/۱	۲۸-۶۸
اسلامی تصور مذہب اور دعوتِ انبیاء قرآن کی نظر میں	سلطان احمد اصلاحی	۱/۲	۸۸-۱۱۷
قرآن مجید، تورات وانجیل میں ایمان وعمل کا تصور ایک تقابلی مطالعہ	الطاف احمد اعظمی	۳/۱	۴۳-۷۸
مومن قرآن کے آئینہ میں	داؤد اکبر اصلاحی	۷/۱	۱۲۵-۱۴۳

مضمون	مضمون نگار	جلد وشمارہ	صفحات
قرآنی معیشت کے بعض بنیادی مسائل مولانا فراہی کی نظر میں	عبدالعظیم اصلاحی	۶-۱/۲	۱۲۳-۱۰۹
فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں (مولانا امین احسن اصلاحی کا نقطۂ نظر)	ابوسفیان اصلاحی	۱/۷	۱۲۴-۱۰۵
فہم قرآن اور اتحاد امت	محمد اسلم اصلاحی	۲/۸	۱۰۱-۹۰
علوم قرآنیہ وکتب متعلقہ			
قرآن مجید کی کتابت وتدوین۔ ایک مختصر جائزہ	ابوالحسن اعظمی	۱/۵	۸۰-۷۰
ترتیب ونظام قرآن	حمیدالدین فراہی	۱/۵	۳۸-۳۲
نظم قرآن	امین احسن اصلاحی	۱/۵	۴۹-۳۹
قرآن کریم میں سجع وفواصل کا تناسب (قسط اول)	عبدالرحمٰن تاج، ترجمہ: محمد فیاض احمد اصلاحی	۲/۷	۸۱-۶۸
قرآن کریم میں سجع وفواصل کا تناسب (قسط دوم)	عبدالرحمن تاج، ترجمہ: محمد راشد اصلاحی	۱/۸	۷۸-۶۴
قرآنی حروف۔ ادبی وبلاغی اعجاز کا نمونہ	عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی، ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی	۱/۴	۷۸-۵۶
علم قرأت عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں	ظفرالاسلام اصلاحی	۱/۵	۱۲۶-۱۰۸
علم قرآن عہدِ سلطنت کے ہندوستان میں	ظفرالاسلام اصلاحی	۲/۱	۱۳۹-۱۱۸
علم قرآن سترہویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں	ظفرالاسلام اصلاحی	۱/۲	۸۹-۷۴
کی بن ابی طالب کی مطبوعہ تصانیف۔ ھر نئی معلومات	محمد اجمل اصلاحی	۲/۴	۱۰۸-۱۰۵
رۃ التنزیل وغرۃ التاویل کے مصنف ی تحقیق	عمر العایلسی، ترجمہ وتلخیص: اشہد رفیق ندوی	۱/۲	۱۱۱-۱۰۳

مضمون	مضمون نگار	جلد و شمارہ	صفحات
ابن قیم کی جانب منسوب کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن کا اصل مصنف۔ ایک تازہ تحقیق	زکریا سعید علی	۲/۸	۷۸-۶۰
تصانیف فراہی کا غیر مطبوعہ سرمایہ	محمد اجمل اصلاحی	۲/۵	۱۲۰-۸۱
فن تفسیر و کتب متعلقہ			
تفسیر قرآن میں نظم کلام کی مشکلات	افادات فراہی، ترتیب و ترجمہ: خالد مسعود	۲/۸	۱۸-۱۰
متن قرآن کریم۔ تشریح و تفسیر	محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی	۱/۸	۶۳-۳۴
قرآن مجید کی معنوی تفسیر۔ بطن القرآن	محمد فاروق خاں	۱/۱	۲۷-۱۸
قرآن مجید کا اسلوب۔ اجمال کے بعد تفصیل	ضیاء الدین اصلاحی	۲/۸	۲۵-۱۹
صدر اول میں تفسیر قرآن کے مصادر	محمد حسین ذہبی، ترجمہ: محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی	۳/۱	۱۰۲-۸۳
بہترین طریقہ تفسیر۔ ابن تیمیہ کا نقطہ نظر	تعارف و ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی	۱/۸	۹۷-۷۹
شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور مولانا فراہی کے مناہج تفسیر کا ایک تقابلی مطالعہ	اشہد رفیق ندوی	۲/۲	۷۴-۵۸
دستور المفسرین کا ایک تعارفی مطالعہ	ظفر الاسلام اصلاحی	۱/۸	۱۱۵-۹۸
تراجم و مترجمین			
مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تجزیاتی مطالعہ	ضیاء الدین اصلاحی	۱/۷	۴۸-۳۶
ترکی زبان میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر پر ایک نظر	اکمل ایوبی	۳/۱	۱۱۱-۱۰۳
قرآن مجید کے روسی تراجم	جابر ابو جابر، ترجمہ: ظفر ایوب اصلاحی	۲/۴	۱۰۴-۹۳

مضمون	مضمون نگار	جلد/شمارہ	صفحات
قرآن مجید کے ہندی تراجم	محمد فاروق خاں	۱/۲	۱۰۲-۹۰
تفاسیر و مفسرین			
ازواج مطہرات کی تفسیری روایات ایک تجزیاتی مطالعہ	محمد یسین مظہر صدیقی ندوی	۲/۵ ۱/۶	۴۰-۸ ۴۸-۱۹
فنِ تفسیر کے ارتقا میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا حصہ	محمد حسین ذہبی ترجمہ: محمد یسین مظہر صدیقی	۳/۱	۱۰۲-۸۳
سفیان ثوری اور ان کی تفسیری خدمات	صفدر سلطان اصلاحی	۱/۴	۱۰۵-۹۷
سفیان بن عیینہ اور ان کی تفسیری خدمات	اشہد رفیق ندوی	۱/۵	۱۰۷-۹۷
مکی بن ابی طالب اور ان کی تفسیری خدمات	اشہد رفیق ندوی	۲-۱/۳	۸۰-۷۲
بحثی از تفسیر کہن (چوتھی صدی ہجری کی ایک فارسی تفسیر)	کبیر احمد جائسی	۲/۲	۱۰۱-۷۷
امام واحدی اور ان کی تفسیری خدمات	صفدر سلطان اصلاحی	۱/۷	۹۳-۷۹
زمخشری۔ حیات و خدمات	ہلال ناجی ترجمہ: محمد ارشد اصلاحی	۲/۷	۱۰۶-۸۲
کیا امام رازی اپنی تفسیر مکمل نہیں کرسکے تھے	محمد عبد القادر رہنادی ترجمہ: اشتیاق احمد ظلی	۲-۱/۳	۷۱-۶۳
علامہ ابن تیمیہ کا تفسیری ورثہ	عبد العظیم اصلاحی	۱/۲	۷۳-۶۱
عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کی فارسی تفسیریں	ظفر الاسلام اصلاحی	۱/۱	۱۳۵-۱۲۵
عہدِ وسطیٰ کی ایک فارسی تفسیر بحر مواج کا تحقیقی مطالعہ	محمد سعود عالم قاسمی	۱/۷	۷۱-۴۹
عہدِ اکبری کی تفسیری خدمات	ظفر الاسلام اصلاحی	۳/۱	۱۲۹-۱۱۲
التفسیر المظہری کا ناقدانہ جائزہ	ابو محفوظ الکریم معصومی	۱/۴	۹۶-۷۹

مضمون	مضمون نگار	جلد وشمارہ	صفحات
تفسیر معدن الجواہر کا ایک تجزیاتی مطالعہ	محمد مسعود عالم قاسمی	۲/۴	۹۲-۷۲
مولانا حمید الدین فراہی - حیات وخدمات	ابواللیث اصلاحی ترجمہ: محمد راشد اصلاحی	۱/۷	۱۰۴-۹۴
مولانا حمید الدین فراہی اور ان کی نسبت فراہی	شرف الدین اصلاحی	۱/۱	۱۴۵-۱۳۶
ترجمان القرآن مولانا فراہی کی فکری و اصلاحی تحریک	اشتیاق احمد ظلی	۲-۱/۶	۹۶-۸۴
تفسیر نظام القرآن کا ایک مطالعہ	عبید اللہ فہد فلاحی	۲-۱/۶	۱۰۷-۹۷
"تدبر قرآن" ایک مطالعہ	فخر الاسلام اعظمی	۱/۵	۹۶-۸۱
تفسیر ماجدی - ایک جائزہ	محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی	۲/۸	۵۹-۴۰
افاداتِ فراہی			
قرآن میں تدبر و تفکر کا مقام	حمید الدین فراہی ترتیب: خالد مسعود	۱/۸	۱۸-۹
قرآن مجید کا طرزِ استدلال	حمید الدین فراہی ترتیب: محمد اجمل اصلاحی	۲/۱	۱۶-۵
حکمتِ قرآن	حمید الدین فراہی ترجمہ: خالد مسعود	۲-۱/۳	۳۶-۱۴
		۱/۴	۲۴-۹
		۲/۴	۲۵-۹
		۱/۵	۲۱-۹
تفسیر سورۃ الاعلیٰ - کچھ غیر مطبوعہ افادات	حمید الدین فراہی ترجمہ: محمد فاروق خاں	۱/۴	۳۸-۲۵
مولانا حمید الدین فراہی کی تفسیر سورہ والشمس	ضیاء الدین اصلاحی	۲/۴	۳۹-۲۶
مولانا حمید الدین فراہی کی تفسیر سورۂ ابی لہب	ضیاء الدین اصلاحی	۱/۲	۲۸-۷

قرآنی الفاظ واصطلاحات کی تحقیق

تعارف وتبصرہ

کتاب	تبصرہ نگار	جلد/شمارہ	صفحات
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ (محمد مسعود عالم قاسمی)	محمد اعظم قاسمی	۲/۸	۱۳۴-۱۱۶
فی ملکوت اللہ (حمید الدین فراہی)	صدرالدین اصلاحی	۱/۵	۱۳۹-۱۳۵
ایضاح القرآن (ضیاء الدین اصلاحی)	سلطان احمد اصلاحی	۲-۱/۳	۱۲۶-۱۲۳
احسن البیان فی علوم القرآن (حسن الدین احمد)	اشہد رفیق ندوی	۲/۵	۱۴۴-۱۳۹
قرآنی مقالات (ادارہ علوم القرآن)	اشہد رفیق ندوی	۱/۸	۱۴۷-۱۳۹
احکام القرآن (زاہد ملک)	ظفر الاسلام اصلاحی	۱/۷	۱۴۳-۱۳۵
الکشاف الاقتصادی لآیات القرآن الکریم (محی الدین عطیہ)	عبد العظیم اصلاحی	۲/۷	۱۳۳-۱۲۸
النہل۔ قرآن نمبر (عربی مجلہ۔ جدہ)	ابوسفیان اصلاحی	۲-۱/۶	۱۵۸-۱۴۸
The Holy Quran, with English translation and commentary (Abdul Majid Daryabadi)	ABDUR RAHIM KIDWAI	۱/۱	۱۵۰-۱۴۶
Social Laws of the Quran (Robert Roberts)	BASHIR AHMAD DABLA	۱/۲	۱۴۹-۱۴۴
THEMETIC AND STRUCTURAL COHERENCE IN THE QURAN - A STUDY OF ISLAHI'S CONCEPT OF NAZM (MUSTANSIR MIR)	UBAIDULLAH FARAHI	۲/۴	۱۲۱-۱۲۰
World Bibliography of translations of meanings of the Holy Quran (Ed Ekmeleddin Ihsanoglu)	ZAFARUL ISLAM ISLAHI	۲/۲	۱۴۹-۱۴۰
Literature on the Quran in the English language - A bibliography (Muhmamd Adil Usmani)	ZAFARUL ISLAM ISLAHI	۲/۴	۱۴۰-۱۳۲
The Muslim World Book Review - special issue on the Quran (Islamic Foundation, Leicester, U K)	ZAFARUL ISLAM ISLAHI	۲-۱/۳	۱۴۱-۱۲۷

قرآنیات پر نئی کتابیں (مختصر تعارف)

تصنیف / تالیف	مصنف / مؤلف	جلد و شمارہ	صفحات
معجم مصنفات القرآن الکریم (عربی)	علی شواخ اسحاق الشعبی	۱/ ۲	۱۵۹۔ ۱۶۰
موضوعات قرآنی	عرفان خلیلی		
التفسیر الواضح (عربی)	شیخ محمد محمود حجازی		
مطالب القرآن ایک نظر میں	یعقوب سروش		
فی ظلال القرآن (تیسواں پارہ)	سید قطب شہید ترجمہ: سید حامد علی		
عظمت قرآن	وحید الدین خاں		
تلخیص تفہیم القرآن	صدر الدین اصلاحی		
عم تیسا، لون (آخری پارہ۔ منظوم اردو ترجمہ مع انگریزی ترجمہ)	محمد حبیب اللہ روفا		
معانی القرآن (عربی)	ابو الحسن سعید بن مسعدہ الاخفش تحقیق: فائز فارس	۱/ ۳ (ترتیب: محمد اجمل اصلاحی)	۱۵۱۔ ۱۵۸
ملاک التاویل (عربی)	ابو جعفر ابن الزبیر الغرناطی تحقیق: سعید الفلاح		
الدر المصون فی علوم الکتب المکنون (عربی)	احمد بن یوسف السمین الحلبی تحقیق: احمد محمد الخراط		
نواسخ القرآن (عربی)	ابن الجوزی تحقیق: محمد اشرف علی الملیباری		
مقدمہ جامع التفاسیر فی تفسیر الفاتحہ و مطالع البقرۃ (عربی)	الراغب الاصفہانی تحقیق: احمد حسن فرحات		
غریب القرآن و تفسیرہ (عربی)	عبد الرحمٰن الیزیدی		

تصنیف / تالیف	مصنف / مؤلف	جلد و شمارہ	صفحات
	تحقیق: محمد سلیم الحاج		
نظریۃ النحو القرآنی (عربی)	احمد مکی الانصاری		
معجم الدراسات القرآنیہ (عربی)	ابتسام مرہون الصفار		
تفسیر ابن مسعودؓ (عربی)	محمد احمد عیسوی		
ایمان وعمل کا قرآنی تصور	الطاف احمد اعظمی	۱/۲	۱۵۰
اسوۂ حسنہ قرآن کی روشنی میں	محمد شریف قاضی		
مناہج المفسرین من العصر الاول الی العصر الحدیث (عربی)	محمد النقراشی سید علی		
سورۂ فاتحہ۔ ایک تحقیقی مطالعہ	الطاف احمد اعظمی		۱۵۱-۱۵۰
مضامین القرآن	سید محمد جعفر فرید سلفی	۲/۲	
SUBJECT INDEX OF THE HOLY QURAN	AFZALUR RAHMAN		
قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)	احمد خاں		
	نظر ثانی: سید عبدالقدوس		
مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت	اخلاق حسین قاسمی		
التعریف والاعلام فی ما ابہم من الاسماء و	ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی	۲-۱/۳	۱۴۹-۱۴۸
الاعلام فی القرآن الکریم (عربی)	تحقیق: عبدا مہنا		
مناظر فطرت اور قرآن	سید عبدالودود		
نباتاتِ قرآن۔ ایک سائنسی جائزہ	محمد اقتدار حسین فاروقی		
القرآن معجزۃ العصور (عربی)	عبدالمنعم خفاجی، عبدالعزیز		
	اشرف علی صبح، عبدالعظیم شبلی	۱/۴	۱۴۸-۱۴۵
وضح البیان عن مشکلات القرآن	بیان الحق نیساپوری		
(عربی)	تحقیق: صفوان داؤدی		

تصنیف/تالیف	مصنف/مؤلف	جلد وشمارہ	صفحات
منہاج القرآن	برہان احمد فاروقی		
قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل	برہان احمد فاروقی		
THE ISLAMIC LEGAL PHILOSOPHY AND THE QURANIC ORIGINS OF ILSAMIC LAW	S HABIBUL HAQ RAIHAN NADVI	۲/۴	۱۴۳-۱۴۱
موضوعات قرآنی اور انسانی زندگی	خواجہ عبدالوحید مرحوم		
احسن البیان فی علوم القرآن	حسن الدین احمد	۱/۵	۱۴۹-۱۴۷
رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن (عربی)	عبدالحمید الفراہی		
حدائق البیان فی معارف القرآن	عبدالغفور فاروقی		
APPROCHES TO THE HISTORY OF THE INTER PRETATION OF THE QURAN	ANDREW RIPPON (ed)	۲/۵	۱۴۷-۱۴۵
فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	امین احسن اصلاحی		
توحید کا قرآنی تصور	الطاف احمد اعظمی	۲-۱/۶	۱۶۰-۱۵۹
مشتملات قرآن عظیم (اشاریہ)	نواز ملک		
قرآن اور سائنس	ایم۔ اے۔ عظیم		
مولانا حمید الدین فراہی۔ حیات وافکار (مقالات فراہی سیمینار)	انجمن طلبۂ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ	۱/۷	۱۴۶-۱۴۴
تفصیل آیات القرآن (اشاریہ)	جول لابوم عربی ترجمہ: فواد الباقی		
رموز سورۂ یوسف	غلام محمد	۲/۷	۱۴۲-۱۴۱
الاعلام باصول الاعلام الواردۃ فی قصص الانبیاء علیہم السلام (عربی)	ف۔ عبدالرحیم		
الرای الصحیح فی من ہو الذبیح (عربی)	عبدالحمید الفراہی		

تصنیف / تالیف	مصنف / مؤلف	جلد و شمارہ	صفحات
حقیقتِ رجم کتاب و سنت کی روشنی میں	محمد عنایت اللہ اسد سبحانی	۸/۱	۱۴۸-۱۵۰
تجلیات قرآن	محمد علی الصابونی ترجمہ: عبد القدوس قاسمی نیرانوی		
نظم قرآن	(غیر مذکور)	۸/۲	۱۳۱-۱۳۲
کاتبین وحی	ابوالحسن اعظمی		

قرآنیات پر مخطوطات، تحقیقی مقالات و مطبوعات۔ فہرست و اشاریہ

مضمون	مضمون نگار	جلد و شمارہ	صفحات
جامعۃ الملک عبد العزیز (جدہ) کی مرکزی لائبریری کے قرآنی مخطوطات	عبد العظیم اصلاحی	۱/۲	۱۴۰-۱۴۵
تحقیقات قرآن (جامعۃ الامام ریاض کے تحقیقی مقالات کی فہرست)	محمد اجمل اصلاحی	۱/۱	۱۵۹-۱۶۰
جامعہ ام القریٰ (مکۃ المکرمہ) میں قرآنیات پر تحقیقی مقالے۔ ایک منتخب فہرست	ادارہ	۳/۱-۲	۱۴۲-۱۴۷
مصری جامعات میں قرآنیات پر تحقیقی مقالے (۱۹۲۲ء-۱۹۷۴ء)	محمد اجمل اصلاحی	۵/۱	۱۲۷-۱۳۴
قرآنیات پر قدما کی تصانیف و جدید تالیفات	محمد اجمل اصلاحی	۷/۲	۱۴۳-۱۴۵
سعودی عرب میں قرآنیات پر شائع شدہ کتب (۱۴۰۰-۱۴۰۹ھ)	محمد خیر یوسف ترتیب و ترجمہ: ظفر الاسلام اصلاحی	۶/۱-۲	۱۲۴-۱۴۷
اردو میں قرآنی مطبوعات۔ کتابیات	ابوسفیان اصلاحی	۷/۲	۱۰۷-۱۲۰
		۸/۱	۱۱۶-۱۳۸
		۸/۲	۱۰۴-۱۱۵
کتابیاتِ فراہی	ظفر الاسلام اصلاحی	۵/۱	۱۳۰-۱۴۴
		۵/۲	۱۲۱-۱۲۹

مضامین کا اشاریہ ماخوذاز

مضامین	مضمون نگار	جلد و شمارہ	صفحات
الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) معارف اعظم گڑھ) برہان (دہلی) جامعہ (نئی دہلی) البلاغ (کراچی)	ابوسفیان اصلاحی	۱/۳	۱۳۰-۱۵۰
زندگی، زندگی نو (رامپور، دہلی) اسلام و عصر جدید (نئی دہلی) تحقیقات اسلامی (علی گڑھ	ابوسفیان اصلاحی	۲/۱	۱۲۶-۱۳۷
ترجمان القرآن (لاہور) الندوہ (لکھنؤ) الرشاد (اعظم گڑھ)	ابوسفیان اصلاحی	۲/۲	۱۱۷-۱۳۲
فکر و نظر (اسلام آباد) ثقافت (لاہور) المعارف (لاہور) الحق (اکوڑہ خٹک پشاور) بینات (بنوری ٹاؤن کراچی)	ابوسفیان اصلاحی	۳-۱-۲	۱۱۷-۱۲۲
فاران (کراچی) میثاق (لاہور) الفرقان (لکھنؤ) دار العلوم (دیوبند)	ابوسفیان اصلاحی	۱/۴	۱۱۵-۱۴۰
ذبر (لاہور) تعلیم القرآن (راولپنڈی) محدث (لاہور) محدث (بنارس) آثار (مئوناتھ بھنجن)	ابوسفیان اصلاحی	۲/۴	۱۰۹-۱۱۹
فہرست مضامین ششماہی علوم القرآن (جلد اول تا چہارم)	ادارہ	۲/۴	۱۴۹-۱۵۵
اشاریہ مضامین ششماہی علوم القرآن (جلد ۵ و ۶)	ادارہ	۲-۱/۶	۱۷۰-۱۷۱
موضوعاتی اشاریہ ششماہی علوم القرآن	ظفر الاسلام اصلاحی	۲/۷	۱۵۱-۱۵۴
ششماہی علوم القرآن کے آٹھ سال (مشتملات کے آئینہ میں)	ظفر الاسلام اصلاحی	۲/۸	۱۳۰-۱۵۵

مضمون	مضمون نگار	جلد و شمارہ	صفحات
دنیا کا سب سے وزنی نسخۂ قرآن کریم	(مشمولہ خبرنامہ	۲/۴	۱۴۶
متفرقات			
کلکتہ مقدمہ۔ قرآن مجید کے خلاف ایک ناکام سازش	شریف الحسن	۲-۱/۳	۱۰۵-۹۸
متعلقات ادارہ			
ادارہ اور مجلہ علوم القرآن کا تعارف (اداریہ)	اشتیاق احمد ظلی	۱/۱	۷-۵
ادارہ علوم القرآن کے مقاصد	سلطان احمد اصلاحی	۱/۱	۱۵۸-۱۵۱
ادارہ علوم القرآن۔ ایک جائزہ	ظفر الاسلام اصلاحی	۱/۴	۱۱۴-۱۰۶
ادارہ علوم القرآن کے ایک اساسی رکن مولانا عبد المجید ندوی کی رحلت	مدیر	۲/۵	۱۵۵-۱۵۳

ششماہی علوم القرآن کی اشاعت ایک نظر میں

شمارہ نمبر (سلسلہ وار)	جلد نمبر	شمارہ نمبر	ماہ و سنہ	قیمت
۱	۱	۱	جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۵ء	۱۳/ روپیے
۲	۱	۲	جنوری۔ جون ۱۹۸۶ء	۱۳/ روپیے
۳	۱	۳	جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۶ء	۱۳/ روپیے
۴	۲	۱	جنوری۔ جون ۱۹۸۷ء	۱۵/ روپیے
۵	۲	۲	جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۷ء	۱۵/ روپیے
۶	۳	۲-۱	جنوری۔ دسمبر ۱۹۸۸ء (مشترکہ)	۱۵/ روپیے
۷	۴	۱	جنوری۔ جون ۱۹۸۹ء	۱۵/ روپیے
۸	۴	۲	جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۹ء	۱۵/ روپیے
۹	۵	۱	جنوری۔ جون ۱۹۹۰ء	۱۵/ روپیے
۱۰	۵	۲	جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۰ء	۱۵/ روپیے
۱۱	۶	۲-۱	جنوری۔ دسمبر ۱۹۹۱ء (مشترکہ)	۱۵/ روپیے
۱۲	۷	۱	جنوری۔ جون ۱۹۹۲ء	۲۰/ روپیے
۱۳	۷	۲	جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۲ء	۲۰/ روپیے
۱۴	۸	۱	جنوری۔ جون ۱۹۹۳ء	۲۰/ روپیے
۱۵	۸	۲	جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۳ء	۲۰/ روپیے

tially aroused when he noticed a marked difference in the style of Ibn al Qaiyim and the one pursued in this book because it would be extremely unusual for an author to adopt so dissimilar styles in his books. For the sake of resolving this problem he resorted to the critical method of the scrutiny of the text and the *sanad*. After a thorough enquiry from this point of view which took the author to almost all possible sources about Ibn al Qaiyim and his writings, he unearthed clinching evidence to prove that this book was not authored by Ibn al Qaiyim. Besides the style and other related issues, it also contains ideas which were vehementhy apposed by him. It also became clear that in fact it is a composition of Ibn al Naqib who was born in 611 A.H. and died 642 A.H.

Shukr

Daud Akbar Islahi

In this article Maulana Daud Akbar Islahi has explained the place of *shukr* in Islam and its impact on the life of the believers. After defining the meaning and basic concept of *shukr*, he proceeds to argue that it is this bedrock on which the foundations of the religion are established, and which guarantees the spiritual and material well-being and progress of the believers. Those endowed with this virtue are recipients of divine grace in the realisation of thier spiritual and material pursuits, as exemplified in the history of Muslims.

Proper understanding of the Quran and the unity of the *Ummah*

Muhammad Aslam Islahi

The author had made an endeavour to examine the exegetical principles enunciated by Maulana Farahi specially his concept of *nazm-i Quarn*. The difference and multiplicity of opinions among those engaged in the interpretation of the Holy Book basically stems from their indifference towards *nazm*. This consequently leads to the emergence of factions and sects and the *ummah* is divided in many groups. If the Quran is studied in accordence with the principle of *nazm* keeping into consideration the preceding and following verses and the general tenure of the narrative, the possibility of divergence of views would be greatly minimized if not entirely eliminated.

Bibliography of Quaranic Publications in Urdu

Abu Sufyan Islahi

This is third instalment of the Bibliography of urdu publications relating to the Quranic studies and covers Quranic teachings. The first two instalments have already covered *Usul-i Tafsir, Ijaz-i Quran, Tarikh-i Nuzul wa Tadwin-i Quran* and *Tahqiqat-i Quran*.

moon, day and night, star, sky etc. In absence of a satisfying explanation of this phenomenon, a number of problems arise in this connection and the traditional scholars such as Imam Razi and Ibn al Qaiyim have not achieved much success in providing satisfactory answers. Maulana Hamiduddin Farahi has broken a new path and has provided a fresh and convincing answer to this question. He argues that the basic purpose of the Quranic Oaths is to Provide *dalil* (arguement) and *shahadah* (evidence) for the *muqsam 'alayh* (complement of oath). This view has been reinforced by tracing the history of oath as a social necessity and its prevalence among the Arabs. The oaths are integral part of Quranic reasoning and therefore the thing to be looked for in this connection is not the *'azmat* (glory) of the *muqsam bihi* (object of the Oath) but a cogent relationship between the object of the oath and the complement of oath. The article seeks to introduce various aspects of Farahi's interpretation of Quaranic oaths.

Tafsir-i Majidi - A Study
Muhammad Umair al Siddiq Daryabadi Nadvi

Maulana Abdul Majid Daryabadi (1892-1977) was a distinguished scholar who made significant contribution to many branches of Islamic learning. But his most significant contribution was in the field of Quranics which includes *Al-Hayawanat fi'al Quran' Arz al Quran* and *A'lam al Quran*. His magnum opus is, however, his *tafsir* of the Holy Quran. He published his English translation of the Holy Book alongwith necessary comments in 1941. This was followed by urdu translation and *Tafsir* on a larger scale. In his view, desirous of interpreting the Holy Book should be aware of the history of different communities, geography and comprative religion. He should be also not entirely unfamiliar with basic aspects of sciences specially astronomy. Otherwise he would be liable to fall in serious error. Equiped with these necessary qualifications, he has been not only able to avoid these pitfalls but has also successfully identified the occasions where others have erred. He is particularly successful in pinpointing the issues where the westernized minds is caught in the meshes of skepticism.

The Real Author of *Kitab al Fawaid al -Mushawwiq Ila Ulum al Quran* attributed to Ibn al Qaiyim - A Recent Research.

Zakaria Saeed Ali
Trans.: Ziaur Rahman Falahi Azami

The authorship of this well-known book is attributed to Ibn al Qaiyim. Eminent scholars have acclaimed this book as one of the most significant contributions on the subject. It's authorship has never been questioned. In this regard author's suspicions were ini

ABSTRACT

Tafsir of the Quran and Problems Relating to Coherence *(Nazm)*

Hamiduddin Farahi
Trans.:Khalid Masud

This article seeks to identify some of the reasons which render it difficult to fully comprehend various aspects of coherenece in the study of the Quran. Some of these factors relate to the stylistic characteristics of the narrative and some are related to the reader himself. Some of the more significant factors connected with both these aspects have been discussed. Among other reasons responsible for many errors that have found their way in the works of *Tafsir*, is the emergence of factionalism in the *Ummah*. Every faction tends to explain and interpret the Quran in such a way that would confirm its particularview point. Similarly, the *mutakallimun* tend to reject everything which is not in conformity with their avowed stand. It is therefore, clear that *tafsir* of the Quran without taking the principle of coherence*(nazm)* into consideration would lead to the multiplicity of interpretations. This could be avoided only if the Quran is interpreted in accordance with the principles of *nazm*.

Detail After short Statement - A Quranic Style

Ziauddin Islahi

Conciseness is, no doubt, the essence of eloquence but there are occasions when detailed treatment of the subject is called for. The Holy Quran has its own distinctive style of narrative. When it addresses the Arabs, the treatment of the subject is very concise. But when it addresses Banu Israel its treatment is quite detailed. It may be noticed that in the early *surahs*, the fundamentals of the religion have been put in extremely concise and capsular form so that it could be more effectively impressed on the minds of the people. But once the fundamentals were brought home and Jews came into contact, this method was dispenced with in favour of a more detailed and comprehensive treatment of the subject matter. The author argues that those exegetes who do not take this particular stylistic characteristic of the Holy Quran into consideration fall in serious error while explaining this kind of verses. By quoting several examples, the author argues that if this principle is kept in mind, there would be no necessity to consider a number of verses as having been abrogated by the following verses which treat the same subject in rather detailed manner.

Al Im'an fi Aqsam al Quran - An Introduction

Fakhrul Islam Azami

In the Holy Quran Allah has sworn by many things such as sun and

CONTRIBUTORS TO THIS ISSUE

Dr Ishtiyaq Ahmad Zilli
President, Idarah Uloom al Quran and Reader,
Department of History, A.M.U., Aligarh.

Mr. Khalid Masud
Editor, *Tadabbur, Lahore*

Maulana Ziauddin Islahi
Director, Shibli Academy
Darul Musannifin, Azamgarh

Dr. Fakhrul Islam Azami
Reader, Department of Arabic
Shibli Post Graduate College, Azamgarh

Maulana Muhammad Umair al-Siddiq Daryabadi Nadvi
Fellow, Shibli Academy, Azamgarh.

Mr. Zakaria Saeed Ali
Well-known scholar

Mr. Ziaur Rahman Falahi Azami
Student, Jamiah Islamiah, Madinah Munawwarah

Maulana Daud Akbar Islahi
Former Teacher of *Tafsir*
Madrasatul Islah, Sarai Mir, Azamgarh

Dr. Muhammad Aslam Islahi
Reader, Department of Arabic
Kashmir University, Srinagar

Dr. Abu Sufyan Islahi
Lecturer, Department of Arabic
A.M.U., Aligarh

Dr. Muhammad Azam Qasimi
Reader, Department of Islamic Studies
A.M.U., Aligarh

Dr. Abdur Rahim Kidwai
Reader, Department of English
A.M.U., Aligarh

Dr. Zafarul Islam Islahi
Secretary, Idarah Uloom al Quran and Reader,
Department of Islamic Studies, A.M.U., Aligarh.

Bi-annual 'Uloom al-Quran', Aligarh

Vol. 8 July - Dec. 1993 No.2

CONTENTS